○ ○ ○

اسلامی ادارہ ادب و ثقافت پاکستان (رجسٹرڈ)

چاہ میراں لاہور

کی نایاب کتابیں

تذکرہ حضرت کرم الٰہی عرف کانواں والی سرکارؒ ۵۰ — ۷

مؤلفہ: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

تذکرہ حضرت سیّد میراں حسین زنجانیؒ ۰۰ — ۲

مؤلفہ: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

آفتابِ زنجان ————

مؤلفہ: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

قرآن اور توبہ چھ روپے ۰۰ —

مؤلفہ: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

فوائد الصلوٰۃ دو روپے ۰۰ —

مؤلفہ: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا است

کسی کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

چشم روشن کن زخاکِ اولیاء
تا بہ بینی زابتدا تا انتہا
(مولانا رومؒ)

①

تذکرہ تاج الاولیاء حضرت سیّد اسحاق گازرونی لاہوری
المعروف بہ
حضرت میراں بادشاہ قدس سرہٗ
(مزار اندرون مسجد وزیر خاں لاہور)

②

تذکرہ شیخ الاولیاء حضرت سیّد صوف لاہوری
المعروف بہ
حضرت سیّد سید صوف قدس سرہٗ
(مزار چوک وزیر خاں لاہور)

مولفہ و مرتبہ
میاں اخلاق احمد ایم-اے ۳۲۳ شاد باغ لاہور۔

فہرست

حصہ اوّل

ذکر حضرت سیّد اسحاق گازرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہؒ

حصہ دوم

ذکر حضرت سیّد صوف المعروف بہ حضرت سیّد سید صوف لاہوریؒ

صفحہ	مضمون	نمبر شمار

والدہ مرحومہ

کی

خدمت میں

جن کے ذکرِ الٰہی نے بچپن میں میرے دل میں

اولیائے کرام کے ساتھ والہانہ عقیدت و ارادت

پیدا کر دی۔ اس تذکرہ کی تدوین و تالیف

اسی جذبۂ عقیدت و محبت کا نمونہ ہے۔

میاں اخلاق احمد



ارشادات

○ تَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِیْنَ،

صالح لوگوں کے تذکرے کے وقت رحمتِ باری تعالیٰ
نازل ہوتی ہے۔

○ ان الارض یرثہا عبادی الصالحون (القرآن)

زمین کے وارث ہوں گے میرے عباد صالح۔



حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اتبعوا العلماء فانہم سرج الدنیا ومصابیح الاخرہ

علما (وارثینِ علوم کتاب وحکمت) کی پیروی کرو۔ وہ بالتحقیق دنیا میں چراغ اور آخرت میں مشعلیں ہیں۔

(عن انس جامع الصغیر سیوطی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

خاک شو در پیش شیخ باصفا
تا ز خاکِ تو بروید کیمیا

حرفِ آغاز

راقم الحروف اس سے قبل حضرت امام سیدنا علی الحق (سیالکوٹی) کے حالات وواقعات اور آپ کے علمی وروحانی فیوض وبرکات پر ایک کتاب سپردِ قلم کر چکا ہے جسے شائع ہوئے تقریباً چھ ماہ کا عرصہ ہوا ہے۔ اس تذکرہ میں مَیں نے حضرت امام سیدنا علی الحق کی شخصیت کے تمام پہلوؤں پر ضروری اور دستیاب معلومات جمع کرکے سوانحی خاکہ مکمل کر دیا ہے اور دوسرے یہ کہ دینی اور علمی خدمات، روحانی فیوض وبرکات اور جہاد کے ان گوشوں کو زیادہ اُجاگر کیا جن سے شخصیت کا مشن اور رول واضح ہو۔ جسے اہلِ علم حضرات اور خاص کر تشنگانِ علم وتحقیق نے بے حد پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور حوصلہ افزائی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس خاکسار کو چند دوستوں نے مجبور کیا کہ مَیں شہر لاہور کے دو قدیم نہایت فراموش شدہ عظیم صوفی اور مبلغِ اسلام حضرت سید اسحاق گازرونی اور حضرت سید صوف لاہوری کے حالات وواقعاتِ زندگی اور ان کے علمی وروحانی فیوض وبرکات قلم بند کر دوں۔

ہماری تاریخ کے درخشاں ابواب میں مشائخ وصوفیاء اور اکابرین کے دو کارنامے قابلِ ذکر ہیں۔ پہلا اشاعت دینِ اسلام اور دوسرا معاشرہ کی دینی بنیادوں پہ اصلاح و تربیت۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ دور کے مورخین اور تذکرہ نگاروں نے اپنی توجہ اس موضوع کی طرف نہیں کی جس قدر کہ کرنی مقصود تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشائخ وصوفیاء اور اکابرین کے حالاتِ زندگی اور دینی خدمات بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں، خلاف اس کے ان کے عقیدت مندوں نے کرامات کے قصوں اور کہانیوں کو جن میں غیر مصدقہ روایات بھی شامل ہیں ایسا رواج دیا اور اس قدر دہرایا ہے کہ ان کی تعلیمات، خدمات اور علمی کارنامے کرامتوں میں چھپ کر رہ گئے، یہاں تک کہ اگر آج ہم انکی مقدس ہستیوں کی تفصیلات کی تحقیق کریں تو سوائے حسرت و یاس کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور محض ان کے مزارات اور ان کی علمی یادگاریں جو دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہی ہیں، ہیں کچھ تسکینِ قلب کا سامان نظر آتا ہے یہ باقیاتِ صالحات ایک طالب اور محقق کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں اور ذوقِ تجسس کو قدرے پورا کرتی ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ ہندو پاکستان میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور تعمیر میں بہت بڑا حصہ صوفیاءِ کرام کے بعد علماء اور ادباء کا حصہ ہے۔ علماء نے درس و تدریس کے علاوہ تبلیغی خدمات بھی انجام دیں۔ لیکن معاشرہ پہ ادباء کا اثر صرف انکی نشر و اشاعت کے ذریعہ ہوا۔

ولی اللہ کی سب سے بڑی کرامت اس کا اتباعِ سنّت ہے اس کی کوئی کرامت شریعتِ نبوی کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی اسے معجزہ کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ جو صرف نبی سے سرزد ہوتا ہے اس لئے ہم کو چاہیئے کہ مشائخ وصوفیاء اور اکابرین کے حالاتِ زندگی اور ان سے متعلق صحیح معلومات حاصل کریں اور معاشرہ کی اصلاح و تربیت اور اسلامی رنگ کو قائم رکھنے میں ان اکابرین نے کیا خدمات انجام دیں کی تحقیق اور تجسس کریں اس پہلو پر تحقیق کا کام نہایت اہم اور ضروری ہے۔

اولیائے کرام کی سوانح حیات مکمل طور پر تحریر میں نہیں لائی جا سکتی انکے احوال اور مقامات کی رفعتیں، ان کے سیر و سلوک کے منازل، تبلیغی سرگرمیاں اور اقوال و کلام عام انسان کے واسطے ناقابلِ فہم ہے۔ ان صلحا کی روحانی پرواز اور بلندی کو لفظوں میں بیان کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ سوانح حیات کے رقم کرنے سے مقصود صاحب عمدہ

کی صحیح تصویر پیش کرنا ہوتا ہے مگر اولیاء کرام کی صحیح تصویر تو کجا خاکہ بنانا بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ مصادر و ماخذ کی کمی، باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ کی کمیابی ہے۔ یہ باتیں بھی مشاہدہ میں آئی ہیں کہ اکابر دین نام و نمود اور شہرت کو گناہ عظیم سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے کارنامے تحریری و زبانی روایات کی شکل میں قائم رکھنے کی طرف کسی نے کوئی توجہ نہ دی اور یہ قیمتی سرمایہ قوم کے لئے محفوظ نہ رہ سکا۔

دستیاب مصادر و ماخذ کی روشنی میں ان اولیاء کرام کی صحیح شخصیت ان کے کارنامے اور ہم عصر تاریخی حالات کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں لاہور کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے تاکہ صحیح ماحول سے قارئین کرام آگاہ ہوں۔

اس تحریر میں ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ حالات و واقعات بالکل درست درج کئے جائیں مبالغہ سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے۔ جہاں کہیں شک و شبہ پیدا ہوا ہے وہاں یا تو وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں یا پوری تحقیق کے بعد رقم کئے گئے ہیں البتہ ان اکابر دین کی سوانح حیات کے ذکر میں جہاں کہیں کسی اور بزرگ یا کسی اہم ہستی کا نام آگیا ہے، حاشیہ میں اسکا ذکر نہایت اختصار کے ساتھ تحریر کر دیا ہے۔ ان حواشی میں اکثر مقامات پر اصل ماخذ کے حوالے بھی درج کر دیئے گئے ہیں تاکہ مفصل مطالعہ کے لئے اصل کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

صوفیاء کے تذکروں میں بعض ایسے شیوخ کا ذکر آتا ہے جنہوں نے اسلام کی بھرپور اشاعت کی۔ جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالسیف بھی کیا۔ بعض راہ خدا میں شہید ہوئے۔ اور بعض فضل خداوندی سے کامیاب ہوئے حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کا تعلق پہلی قسم کے صوفیاء سے ہے اور حضرت سید صوف لاہوریؒ کا دوسری قسم کے صوفیاء سے ہے جنہوں نے حق کی خاطر جہاد بالسیف سے دریغ نہ کیا۔

حضرت سید اسحاق گازرونیؒ (لاہوری) مشیخ المشائخ، قطب الاولیاء اور سادات عظام سے ہیں۔ آپ کمالات ظاہری اور باطنی کے مالک، پیر کامل اور شیخ اکمل تھے۔ حلیم، خلیق، زہد و تقویٰ میں شہرہ آفاق تھے۔ حضرت سید صوف لاہوریؒ علوم ظاہری و باطنی میں یکتائے روزگار اور عارف کامل تھے۔ ریاضت و مجاہد، زہد و تقویٰ، فقر و غنا اور توکل و قناعت میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ عارف شب زندہ دار تھے۔ آپ کی ذات برکات میں جمالیت اور جلالیت دونوں پہلو موجود ہیں۔ آپ نے علمی و روحانی فیوض و برکات

سے ایک دُنیا کو فیض یاب کیا آپ کا چشمۂ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور ایک
دنیا کو سیراب کر رہا ہے۔

ان بزرگوں کا اسوہ حسنہ اور علمی و روحانی تعلیمات اس پُرفتن دور میں ہمارے لیے
چراغِ ہدایت ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر ہمیں ان مقدس ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی
توفیق عطا فرمائے اور سلامتی ایمان بخشے۔ آمین ثم آمین!

آخر میں میں اپنے دوست محترمی جناب میاں عالمگیر شجاع صاحب، میاں افتخار
صاحب باغبانپوری اور جناب عالم حسین چیمہ صاحب ایم اے ایل ایل بی کا شکر گزار ہوں
کہ ان حضرات نے اس کتاب کی تدوین و تالیف میں میری مدد فرمائی اور قیمتی مشوروں سے
مجھے نوازا۔ بعض قابلِ قدر کتب فراہم کیں۔ ناظرین سے میری استدعا ہے کہ اگر
مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو درگزر فرمائیں اور مجھے اپنی بیش بہا معلومات اور زرّیں
آراء سے محروم نہ رکھیں۔ خدا کرے میری یہ خدمت قبول ہو۔

۳۳۳ شاد باغ لاہور
۱۲ / اپریل ۱۹۷۹ء

احقر
میاں اخلاق احمد عفی عنہ
کاچھو

حرفِ ثانی

از پروفیسر سیّد محمد کبیر احمد مظہر صاحب (ایم اے)

رومیؒ فرماتے ہیں ــــ

زاد دانشمند آثار قلم　　زاد صوفی چیست ؟ آثار قدم

چنانچہ صوفیائے کرام کے حلقوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے "آثار قدم" کو بڑی اہمیّت حاصل ہے اور ان کی تحقیق و تتبّع کے لئے ان کے ہاں باقاعدہ سلسلہ اسناد بھی ہے جس کی وہ بہت حفاظت کرتے ہیں اور تصوّف کے کسی مدّعی کو اپنے ہاں اس وقت تک وقعت نہیں دیتے جب تک اس کی ان اسناد سے باخبر نہیں ہو جاتے۔ اور کسی صوفی کو اس وقت تک معتبر نہیں گردانتے جب تک کہ اس کے سلسلہ اسناد کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہونے کا یقین انہیں نہیں ہو جاتا۔ اور چونکہ ان "آثار قدم" کے بارے میں صوفیاء کے ہر طبقہ کی تحقیقات اور پیروی کے منہاج اور اسلوب اپنے اپنے ہیں۔ لہٰذا کسی صوفی کے حالات اور اس کے صوفیانہ مزاج و منہاج کی تحقیق اور شناخت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ وہ صوفیائے کونسے طبقہ (سلسلہ۔ طریقہ) سے متعلق ہے۔ اور اس طبقہ کے نمایاں اوصاف اور ممتاز خصائص کیا ہیں۔

زیر دست تالیف میں جو میرے محترم دوست جناب میاں اخلاق احمد صاحب (ایم۔اے) کے قلم سے صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل تحقیقی سلسلۂ کتب کی ایک نئی کڑی ہے۔ لاہور کے جن دو قدیم اور عظیم صوفیاء (حضرت سیّد اسحاق گاذرونیؒ اور حضرت سیدصوفؒ) کے حالات سے بحث اور تحقیق کی گئی ہے ان میں سے حضرت سید اسحاق گاذرونیؒ سلسلہ جنیدیہ کی جس شاخ سے متوسل ہیں۔ وہ ادارہ تصوّف کی

ایک جلیل القدر اور نابغۂ روزگار شخصیت حضرت ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردیؒ متوفی ۵۶۳ھ پر منتہی ہوتی ہے۔ بعض محققین کی رائے میں مشہور سلسلہ سہروردیہ کا اجرا انہی سے ہوا اور وہ انہی کی ذات سے منسوب ہے چنانچہ طرائق الحقائق کا مصنّف یہی لکھتا ہے۔

"سلسلہ سہروردیہ کہ منسوب بشیخ ابوالنجیب ضیاء الدین عبدالقاہر سہروردی است"۔[1]

جبکہ محققین کے دوسرے گروہ کی رائے میں سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ متوفی ۶۳۲ھ ہیں جو ابوالنجیب سہروردیؒ کے برادر زادے خلیفہ اور جانشین درگاہ ہوئے۔ جیسا کہ صاحب روضات الجنان نے تحریر کیا ہے۔

"دیگر سہروردیہ کہ سرخیل ایشان شیخ شہاب الدین عمر سہروردی است کہ پسر برادر و مرید شیخ ابوالنجیب است"۔[2]

بہرحال حضرت ابوالنجیبؒ علم و فضل، ایقان و عرفان اور نشر و اشاعت طریقہ میں اتنے نامور ہوئے کہ بعض محققین نے انہیں جنید ثانی اور بعض نے غوث اعظم ثانی کہا۔

"ایں مقدار مشائخ کبار و درویشان عالی مقدر و سلسلہ ہا کہ از ظل تربیت وی پیدا شدہ اند معلوم نیست کہ درمیان مشائخ بعد از شیخ جنید را بودہ باشد"۔[3]

اسی طرح تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ متوفی ۵۶۰ھ کے بعد طالبان حقیقت کے رجوع کا تمام تر مرکز حضرت ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات ہوگئی تھی۔ وہ فیضان الٰہی کا ایک ایسا وسیع اور رواں سرچشمہ تھے کہ جس سے سلاسل کے کئی دریا اور ندیاں جاری ہوئیں۔ مثلاً:۔

۱۔ ان کے خلیفہ عمار یاسر الاندلسیؒ کی شاخ میں نجم الدین کبریٰؒ سے سلسلہ کبرویہ کا آغاز ہوا۔

۲۔ ان کے خلیفہ بھتیجے اور جانشین درگاہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ متوفی ۶۳۲ھ سے سلسلہ سہروردیہ کا اجرا ہوا۔

۱۔ معصوم علی شاہ شیرازی: طرائق الحقائق۔ طبع تہران۔ ص ۳۰۶۔ ج ۲۔

۲۔ روضات الجنان طبع تہران۔ ص ۲۳۷ ج۔۲

۳۔ روضات الجنان طبع تہران۔ ص ۲۳۷ ج۔۲

۳۔ ان کے خلیفہ ابو رشید قطب الدین احمد الابہری سے بھی ایک مستقل سلسلہ جاری ہوا۔ جس میں شیخ رکن الدین سجاسیؒ، شیخ اوحد الدین اوحد حامد کرمانیؒ اور شیخ اوحد الدین اوحدی اصفہانیؒ کے اسماء قابل ذکر ہیں[1] آپ اس سلسلہ کو سلسلہ اوحدیہ ابہریہ یا الطریقۃ الاوحدیہ الابہریۃ کہہ سکتے ہیں، زیر دست تالیف کے بزرگ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ اسی سلسلہ سے متوسل ہیں اور حضرت شیخ اوحد الدین (رکن الدین) اوحدی اصفہانی مراغہ ای متوفی ۷۳۸ھ سے بیعت اور مجاز ہیں۔

سلسلہ اوحدیہ ابہریہ ایک عظیم الشان سلسلہ ہے اور اس کے جملہ شیوخ اکابرین وقت کا مرکز و مرجع رہے ہیں۔ چنانچہ شیخ الشیوخ رکن الدین سجاسیؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مولانا رومؒ کے پیشوا حضرت شیخ شمس تبریزیؒ کے پیر و مرشد ہیں۔

"القصہ شمس الدین در علوم ظاہر ماہر شدہ۔ ذوق سلوک و طالب قابلیت اصلی دامنگیر وشدہ مرید شیخ الشیوخ العارف رکن الدین سجاسی رحمۃ اللہ علیہ شدہ۔ و در معرفت و ریاضت و سلوک مقام عالی یافت"[4]

۱۔ معصوم علی شاہ شیرازی: طرائق الحقائق۔ ص ۳۱۱۔ ج ۲

نوٹ: شیخ ابو النجیب سہروردی کے ایک خلیفہ شیخ روزبہان گازرونی بھی تھے۔ ان سے سلسلہ روزبہانیہ جاری ہوا۔ اور شیخ نجم الدین کبرایؒ نے ان سے فیض پایا (طرائق الحقائق ۳۴۲ ج ۲)

۲۔ جے۔ اسپنسر ٹرائی منگھم: دی صوفی آرڈرز ان اسلام ص ۳۴ و نقشہ شجرہ سلسلہ سہروردیہ ص ۳۰ طبع آکسفورڈ لندن ۱۹۷۱ء

۳۔ سجاس ایران کے مغرب میں ہمدان اور ابہر زنجان کے درمیان ایک شہر ہے اور لوگوں نے غلطی سے اسے سنجاس لکھا ہے (ص پنجاہ و یک دیباچہ کلیات اوحدی اصفہانی مرتبہ آقائے سعید نفیسی۔ سجاس اور ابہر زنجان کے پاس دو قصبے ہیں (آذر، لطف علی بیگ: آتشکدہ بہ تصحیح تعلیق سادات حسن ناصری۔ حاشیہ ص ۲۳۰ = اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۹۵۱ لفظ ابہر)

۴۔ طرائق الحقائق۔ ص ۲۱۵۔ ج ۲۔ شیخ رکن الدین سجاسیؒ کی وفات کے بعد شیخ شمس تبریزیؒ بابا کمال جندیؒ سے فیضیاب ہوئے جو شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے خلیفہ تھے۔ دیکھئے طرائق الحقائق۔ جلد ۳۲۸، ۲۱۶۔ ج ۲۔

ازاں بعد شیخ اوحدالدین حامد کرمانیؒ کا اسم گرامی آتا ہے جن سے حضرت محی الدین ابن العربیؒ جیسے فاضل روزگار اور مفکر دوراں نے استفادہ کیا تھا۔ شیخ کرمانیؒ ۶۰۲ھ میں قونیہ میں ان کے گھر رہے تھے۔ ابن العربیؒ نے ان سے اپنی صحبتوں کا ذکر اپنی کتاب الفتوحات المکیۃ کے الباب الثامن میں کیا ہے۔[۱]

شیخ کرمانیؒ سلسلہ سہروردیہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے معاصر تھے شیخ شہابؒ نہایت پابند شریعت تھے جبکہ شیخ کرمانیؒ آزاد طبع اور قلندر مشرب تھے۔ چنانچہ تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ جب آپ کو دوران سماع جوش آجاتا تھا تو آپ امردوں کے پیراہن چاک کر دیتے تھے اور اپنا سینہ ان کے سینہ پر رکھ دیتے تھے۔

"چون وی در سماع گرم شدی۔ پیراہن امردان چاک زدی وسینہ بسینہ ایشان باز نہادی"

اسی ضمن میں روایت ہے کہ آپ ایک دفعہ بغداد پہنچے اور خلیفہ وقت المستنصر باللہ کے مہمان ہوئے۔ وہ آپ کا مرید تھا۔ اس کا ایک شہزادہ نہایت صاحب جمال تھا۔ جب اسے آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ دوران سماع آپ کی یہ عادت ہے تو اس نے کہا "اس رو سے آپ مبتدع (بدعتی) اور کافر ہیں۔ اگر مجلس میں دوران سماع آپ نے میرے ساتھ ایسی کوئی حرکت کی تو میں آپ کو قتل کر دوں گا" مگر جب محفل سماع گرم ہوئی۔ آپ از روئے کشف وکرامات اس کے ارادہ سے آگاہ ہو گئے اور یہ شعر پڑھنے لگے۔

سہل است مرا بر سر خنجر بودن	در پاے مراد دوست بی سر بودن
تو آمدہ ای کہ کافرے را بکشی	غازی چو توئی رواست کافر بودن

اس پر شہزادہ آپ کی ولایت کا معترف ہوا اور اس نے اپنا سر آپ کے پاؤں پر رکھ دیا۔

---

[۱] نفحات الانس فارسی ص ۵۹۲، ۶۰۴ طبع لاہور۔ ابن العربیؒ نے حج کے بعد حرم کعبہ میں اپنے ممتاز شاگرد شیخ صدرالدین قونویؒ کی تربیت شیخ اوحدالدین کرمانیؒ کے سپرد کر دی تھی چنانچہ شیخ صدرالدین قونویؒ نے خرقہ ابن العربیؒ سے لیا اور سجادہ شیخ کرمانیؒ سے لیا اور وقت وفات وصیت کی کہ ان کو ابن العربیؒ کے خرقہ میں کفن دیا جائے اور شیخ کرمانیؒ کے سجادہ کو ان کی قبر میں بچھا دیا جائے۔ (روضات الجنان ج ۱ ص ۶۱)

اور مرید ہو گیا۔

مظاہر حسی میں حقیقت مطلقہ کے جمال کو مشاہدہ کرنے کا یہ انداز حضرت شیخ شہاب الدینؒ جیسی پابند شرع طبیعت کو پسند نہ آیا۔ اور انہوں نے شیخ کرمانیؒ کو مبتدع (بدعتی) کہہ دیا اور انہیں اپنی مجلس کے نا قابل قرار دیدیا یہ بات شیخ کرمانیؒ تک پہنچی تو انہوں نے کہا "مجھے مبتدع کہہ دیا، کوئی بات نہیں، میرے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ ان کی زبان پاک پر میرا نام آیا ہے"

ما ساءنی ذکراک بمسبة ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بل سرنی انی خطرت ببالک

حضرت شیخ شہاب الدینؒ نے یہ بات سنی تو ان کے حسن اخلاق کی تعریف کی۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت شیخ شہاب الدینؒ اور حضرت شیخ کرمانیؒ کی باہم ملاقات نہیں ہوئی۔ البتہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے ذوق باہم یکساں نہ تھے۔ لہذا طبیعت نہ ملنے کی بنا پر شیخ کرمانیؒ سے ہم مجلس ہونا شیخ شہاب الدینؒ کو بار خاطر محسوس ہوا۔ چنانچہ ان کے ذوق کی توضیح ان کے اس قول سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "ہر نعمتی کہ در بشر ممکن است شہاب الدین را دادہ اند۔ الا ذوق سماع"۔ ترجمہ: ہر نعمت جو بشر کے لئے ممکن ہے شہاب الدین کو دی گئی ہے سوائے ذوق سماع کے۔ مگر یہ ذوق سماع حضرت شیخ کرمانیؒ کو بہت تھا۔

چنانچہ ایک دفعہ شیخ کرمانیؒ شیخ شہاب الدینؒ کے ہاں آکر ٹھہرے۔ شیخ نے ان کی پوری تعظیم کی۔ رات ہوئی تو شیخ کرمانیؒ نے سماع کی درخواست کی۔ شیخ شہاب الدینؒ نے قوال بلا کر محفل ترتیب دے دی۔ مگر خود ایک گوشہ میں جا کر قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔

صبح خادم خانقاہ نے آپ سے کہا کہ مشائخ تمام رات سماع کرتے رہے ہیں۔ ان کے لئے نہاری چاہیئے۔ آپ نے فرمایا "مجھے تو خبر نہیں کہ مشائخ نے ساری رات سماع کیا ہے"۔ گویا شیخ شہاب الدینؒ ساری رات ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن میں اتنے مستغرق رہے کہ مشائخ کا سماع ان کے کانوں میں نہیں پڑا۔[1]

حضرت شیخ شہاب الدینؒ اور حضرت شیخ کرمانیؒ دونوں منتہی ارباب کمال اور واصلان

۱۔ خزینۃ الاصفیاء، ص ۲۸۶، طبع لاہور۔ حمد اللہ المستوفی تاریخ گزیدہ، لندن ۱۹۱۰ء، ص ۴۸۸، لطف علی بیگ آذر: آتشکدہ ج ۲ ص ۶۱۲ تہران بالتصحیح حسن سادات ناصری رضا قلی ہدایت: تذکرہ ریاض العارفین ص ۶۰ تہران۔

الٰہی میں سے تھے۔ مگر ایک کے مزاج پر شریعت اور عبادت کا غلبہ تھا اور دوسرے کے مزاج پر جذبہ اور قلندریت کا ان دونوں بزرگانِ دین کے ہاں مقام و مرتبہ کی بلندی کے باوجود مزاج کا جو تفاوت ہے ایک عام قاری کی نگاہ سے توجہ طلب ہے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مکتوب سے مدد لی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"یہ فرقہ منتہی اصحاب کا ہے۔ جنہیں مشاہدۂ جمال لایزالی کے کمال وصل کے درجات میں سے ایک درجۂ وصل کے بعد قوی برودت (سخت سرد مزاجی) ہو کر نسبت تامہ حاصل ہوئی ہے جو باقی منازل وصل پر عروج سے روکتی ہے۔ اور چونکہ وصل کی دیگر منازل ابھی ان کے سامنے موجود ہیں اور قرب کے مدارج انتہا تک طے نہیں ہوئے۔ جبکہ یہ منتہی لوگ اس برودت کے باوجود عروج کی رغبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ کمال قرب (کی اس خواہش) کی بنا پر اس صورت میں سماع ان کو فائدہ دیتا ہے کہ وہ حرارت بخشتا ہے۔ لہذا ہر آن سماع کی بدولت انہیں منازل قرب میں عروج میسر ہوتا ہے"

منتہی ارباب کمال اور واصلانِ الٰہی کا سماع اور وجد اس قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ ہاں فنا و بقا کے بعد انہیں اگرچہ جذبہ عطا ہوتا ہے لیکن چونکہ برودت (سرد مزاجی) قوی ہوتی ہے اس لئے وہ منازل عروج کی ترقیات کی تحصیل کے لئے صرف جذبہ پر کفایت نہ کرتے ہوئے سماع کے محتاج ہو جاتے ہیں۔

مشائخ کا ایک اور گروہ بھی ہے قدس اللہ اسرارہم جن کے نفس ایک درجہ ولایت کو حاصل کرنے کے بعد مقام بندگی پر اتر آتے ہیں۔ ان بزرگوں کا آرام عبادات سے ہے اور سکون حقوق بندگی اور طاعات میں۔ انتہائی عروج کی رغبت نہیں رکھتے اور صعود (اوپر چڑھنے) کا شوق ان کے دل میں کم ہوتا ہے۔ ملت (حنیفہ) کی متابعت کے نور سے ان کی جبین وقت روشن ہوتی ہے اور ان کا دیدۂ بصیرت اتباعِ سنت کے سرمہ سے سرمہ آلود ہوتا ہے۔ لاجرم یہ لوگ تیز نگاہ ہیں۔ اگرچہ عروج کم رکھتے ہیں مگر نورانی ہیں کیونکہ اصل نور (نور شرع) سے منور ہیں۔ اس مقام (بندگی) میں ان کی شان عظیم ہے اور وہ جلیل القدر ہیں۔ ان کو سماع و وجد کی ضرورت نہیں۔ عبادات ان کے لئے سماع کا کام دیتی ہیں اور

صل نورانیت (شریعت کا اتباع) عروج سے کفایت کرتی ہے۔ ۱؎

دونوں مشائخ کبار کے ذوق کے تفاوت کی توجیہہ کو بیان کرنے کے بعد آمدم برسر سخن کہ صور جمیلہ میں مشاہدہ حق کے بارے میں شیخ کرمانیؒ کے نکتہ نظر کی توضیح ان کے مندرجہ ذیل اشعار سے بھی ہوتی ہے۔

ازاں می نگرم بچشم سر در صورت — زیرا کہ ز معنی ہست اثر در صورت
ایں عالم صورت است وما در صوریم — معنی نتواں دید مگر در صورت

شیخ کرمانیؒ کے مزاج کا یہ پہلو ان کی حیات اور طریقت میں اتنا نمایاں ہے کہ ایک دفعہ شیخ شمس تبریزیؒ نے ان سے پوچھا "کیا کر رہے ہو؟ تو جواب دیا "چاند کو طشت آب میں دیکھ رہا ہوں" اس پر شیخ شمس تبریزیؒ نے چوٹ کی۔ اگر آپ کی پشت پر دنبل (پھوڑا) نہیں ہے تو اسے آسمان میں کیوں نہیں دیکھتے؟"

شیخ کا یہ قلندرانہ مشرب اور اشیائے جمیلہ میں مشاہدہ حق کا طریق ان کے خلیفہ حضرت شیخ اوحد الدین اوحدی اصفہانیؒ کے ہاں بھی اسی طرح تھا۔ گویا پیر اور مرید ہر دو کا مسلک ایک تھا۔ دونوں کی وضع ایک (قلندرانہ) تھی، دونوں کا مزاج شاعرانہ تھا۔ اور دونوں نکتہ نظر وجودی تھا۔ اس بنا پر اوحد الدین حامد کرمانیؒ اوحد تخلص کرتے تھے اور اوحد الدین اصفہانیؒ ان کے تخلص کی مناسبت سے اوحدی لکھتے تھے۔ شیخ کرمانیؒ کے یہ دو شعر جنہیں صاحبات نے تحریر کیا ہے ان کے وجودی ہونے کی توضیح کرتے ہیں۔

ذاتم ز ورای حرف و بیرون ز عدد است — وز چشمہ لطف آب حیاتم مدد است
علت ناعدہ بہ اوحد آمد حرفی — علت بگذار کاینک اوحد احد است

اور اوحدی اصفہانیؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ "مردی موحد و عارف و گرم رو بود۔ باوجود کمال عرفان و سلوک در فضیلت ظاہری ہیچ کمی نداشت و کتاب جام جم او نظم کردہ و ترجیع او در بیان

۱؎ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ مکتوب ۲۸۵ دفتر اول) خلاصہ یہ کہ مشاہدہ جمال الٰہی کے بعد طبیعت میں برودت (سرد مزاجی بوجہ سیر طبعی) ہو جاتی ہے۔ اس وقت منتہی مجذوب اپنے آپ کو سماع سے گرم کرکے پھر مشاہدہ کے لئے تیار کرتا ہے جبکہ منتہی سالک عبادت اور اطاعت میں مشغول ہو جاتا ہے اور جذبہ کے ذریعہ مشاہدہ کی بجائے [illegible]

موحدان شہرتی عظیم دارد۔ و دیوان اوحدی دہ ہزار بیت باشد۔ و سخن را موحدانہ گوید[1]۔

شیخ اوحدی اصفہانیؒ (۶۷۰ھ ـ ۷۳۸ھ)[2] ایک زبردست عالم بلند پایہ شاعر اور عظیم صوفی تھے۔ ان کا نسب بغداد کے ایک خلیفہ تک منتہی ہوتا ہے۔ پہلے صافی تخلص کرتے تھے مگر شیخ اوحد الدین اوحد حامد کرمانیؒ سے بیعت ہوئے تو اُن کے تخلص اوحد کی رعایت سے اوحدی لکھنے لگے۔ یہ مذہباً شافعی مسلکاً سُنّی اور مزاج و مشرب میں وحدۃ الوجودی تھے۔ چنانچہ مثنوی جام جم میں ان کا ایک شعر یہ ہے:۔

آنکہ مغز است وایں دگرہا پوست   و آنکہ چوں نیک بنگری ہمہ اوست

ان کا شمار ان اٹھارہ برگزیدہ علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے شیخ صدر الدین قونویؒ سے فصوص الحکم پڑھی تھی۔ شیخ فخر الدین عراقیؒ فصوص میں ان کے ہمدرس تھے۔ دونوں کے مزاج یکساں تھے۔ چنانچہ عراقیؒ نے لمعات لکھی تو اوحدیؒ نے جام جم تحریر کی۔ مگر اوحدیؒ ابن العربیؒ کے مقلّد نہیں، اپنا دماغ بھی رکھتے ہیں اور ابن العربیؒ سے زیادہ سنائی غزنویؒ سے متاثر ہیں چنانچہ اُنہوں نے اُن کے قصائد کا جواب لکھا ہے اور مثنوی جام جم ان کی مثنوی حدیقۃ الحقیقت کے وزن اور اسلوب پر لکھی ہے۔ مزید برآں یہ کہ وہ حکیم سنائیؒ کی طرح حکیم اوحدیؒ بھی مشہور ہیں اہلِ ادب نے ان کو درجہ سوم کے شعراء اور اساتذہ فن شعر میں شمار کیا ہے یعنی خواجوی کرمانی اور سلمان ساوجیؒ کے طبقہ میں۔

فن شعر پر محکم گرفت، حقائق زندگی پر گہری نظر اور قلندرانہ روش پر پختگی کی بنا پر خواجہ حافظ شیرازیؒ انکو اپنا پیر طریقت مانتے ہیں۔ چنانچہ جب اوحدیؒ نے یہ دو شعر کہے۔

نصیحتی کنمت یاد گیر و بعد از من   بگوی راست کہ اینم ز اوحدی یاد است
مدہ بشاہد دنیا عنان دل زنہار   کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است

تو خواجہ حافظ شیرازیؒ نے ان میں تصرف کر کے یوں لکھا۔

نصیحتی کنمت یاد گیر و در عمل آر   کہ ایں حدیث ز پیر طریقتم یاد است
مجو درستی عہد از جہان سست نہاد   کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است

---

[1] دولت شاہ سمرقندی: تذکرۃ الشعراء طبع تہران ص ۲۳۲ و ۲۳۳۔ [2] اوحدی شصت سال سختی دید — تا شبی روی نیک بختی دید۔ اوحدی کے اس شعر کی روشنی میں ان کے شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے وصال ۶۳۵ھ سے ساٹھ سال منہا کی جائیں تو اوحدیؒ کا سال ولادت ۶۳۳ھ ہوتا ہے جبکہ ان کی وفات ۷۳۸ھ میں ہوئی۔ یعنی ان کی عمر قریباً ایک سو سال ہوئی ہے جو انکی طویل عمر کی روایت کے عین مطابق ہے

اوحدیؒ کہتے ہیں کہ وہ ازل سے رند اور شاہد باز ہیں۔

حدیث درد من ای مدعی نہ امروز است　　که اوحدی ز ازل رند بود و شاہد باز

وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دوستی اور وفاداری نایاب ہے۔ اور اسے کسوٹی سے کوئی ڈر نہیں ہے۔

در دوستی اگر بگمانی ز اوحدی　　زر خالص ست و باک نمی دارد از محک

مندرجہ ذیل مشہور زمانہ شعر بھی اوحدیؒ ہی کا ہے۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　　تو چہ دانی کہ درین گرد سوارے باشد

ان کی خانگی زندگی ناکامی سے دوچار تھی اور وہ بیوی کے ہاتھوں لاچار تھے چنانچہ ان کے بیٹے نے شادی کا ارادہ کیا تو انہوں نے ازراہ نصیحت کہا۔

زمن ز مادرت بگسیری پند　　چند و بیدیم و نیست بینی چند

آن رہا کن کہ نان و ہیمہ نماند　　ریش بابا ببین کہ نیمہ نماند

اوحدیؒ آخری ایلخانی بادشاہ سلطان ابوسعید خان بہادر بن الجائتیو (۷۱۶ھ۔ ۷۳۶ھ) کے دربار میں ملک الشعراء تھے۔ چنانچہ انہوں نے سلطان ابوسعید اور اس کے وزیر غیاث الدین محمد بن خواجہ رشید الدین فضل اللہ کی مدح لکھی ہے[1]

اوحدیؒ مراغہ میں فوت ہوئے۔ وہیں ان کا مزار ہے جو پیر اوحد الدین کے نام سے مشہور ہے۔ جمعرات کی رات وہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ ان کی لوح مزار پہ یہ تحریر ثبت ہے:۔

ہذا قبر المولی المعظم قدوۃ العلماء افصح الکلام و زبدۃ الانام المدارج الی رحمۃ اللہ تعالیٰ اوحد الملۃ والدین ابن الحسین الاصفہانی فی منتصف شعبان سنۃ ثمان و ثلثین و سبعمائۃ۔

اوحدیؒ کے حالات میں ڈاکٹر آقای محمود فرخ نے "احوال و آثار اوحدی اصفہانی"

---

[1] اوحدی اصفہانیؒ کے جملہ حالات مذکورہ بالا کلیات اوحدی اصفہانی مرتب پروفیسر آقای سعید نفیسی کے دیباچہ سے ماخوذ ہیں دیکھئے ص ۵، ۷، ۸، ۱۹، ۲۰، ۱۰ تا ۲۶، ۳۱، ۳۹، ۴۱، ۴۵، ۵۱، ۵۹، ۶۳، ۶۵۔ نیز دیکھیں اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۱۴۵ بذیل لفظ "اوحدی"۔

کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے جو مشہد سے ۱۳۳۵ شمسی میں طبع ہو چکی ہے علاوہ ازیں اوحدیؒ کا جملہ کلام ایک مفصل اور تحقیقی دیباچہ کے ساتھ آقای سعید نفیسی نے "کلیات اوحدی اصفہانی کے نام سے ترتیب دیا ہے اور وہ تہران سے ۱۳۴۰ شمسی میں طبع ہو چکا ہے[۱]

شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ اوحدالدین اصفہانیؒ دونوں حضرات کو معرفت الہیٰ اور قرب ربانی کی دولت طویل ریاضتوں اور کٹھن مجاہدوں کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ اور یہ ذکر ان دونوں کے کلام میں موجود ہے۔ شیخ کرمانیؒ فرماتے ہیں۔

اسرار حقیقت نشود حل بسوال　　نی نیز بدر باختن حشمت و مال
تا خون نکنی دیدہ و دل پنجہ سال　　ہرگز ندہند راہت از قال بحال

اور ان کے خلیفہ شیخ اصفہانیؒ لکھتے ہیں۔

اوحدی شصت سال سختی دید　　تا شبی روی نیک بختی دید
سر گفتار ما مجازی نیست　　باز کن دیدہ کین بازی نیست
سالہا چون فلک وار بسر گشتم　　تا فلک وار دیدہ در گشتم
بر سر پای چلہ داشتہ ام　　چون نہ از بہر زلہ داشتہ ام

ازاں بعد شیخ اصفہانیؒ بارگاہ الہیٰ میں اپنے مقام قرب کو یوں بیان کرتے ہیں:

از برون در میان بازارم　　وز درون خلوتی است با یارم
کس نہ بیند جمال سلوت من　　رہ ندارد کسی بخلوت من
تا دل من بدوست پیوستہ است　　صو زہا گرد سر من بستہ است[۲]

---

[۱] حالات کے لئے دیکھیں: ٹی۔ ڈبلیو۔ بیل: اے۔ این اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری طبع نیویارک ۱۹۶۵ ص نمبر ۳۰

[۲] اس شعر کی تشریح میں مخدوم العلماء مرجع العرفاء حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندی مجددی نوکلی مجبوبی متوفی ۱۹۶۲ء علیہ الرحمۃ کا یہ قول ہدیۂ ناظرین ہے۔

"درویش ہر ویلے اپنے دوالے قلعے اسار داھندا اے"

23797

ان دونوں حضرت کے مزاج اور طریقہ کی اس خصوصیت کی بنا پر صاحب نفحات نے ان کو فخر الدین عراقیؒ اور شیخ احمد غزالیؒ کا ہم مشرب قرار دیا[1] جو انہیں کی مانند آزاد طبع تھے۔ عاشق مزاج تھے اور صورِ حسیّ میں حقیقت مطلقہ کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ مگر پاک نگاہ اور پاک دامن تھے۔ لہذا ہمیں ان کے خلوصِ قلب اور قربِ الٰہی پر نظر کرنا چاہیئے اور ان کی ظاہری فروگذاشتوں سے صرفِ نظر کرنا چاہیئے۔

ان بزرگوں کا طریقہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ جذبۂ صادق کے بغیر ایک عمر تک شرع کی شدید رسمی پابندی سے بھی بارگاہِ الٰہی میں مقامِ قرب نہیں ملتا لیکن اگر عمل قلیل ہے مگر جذبۂ صادق کثیر ہے تو ممکن ہے کہ صرف اس جذبہ صادق کے طفیل خدا کے ہاں درجۂ قبول مل جائے۔

طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

چنانچہ اس طبقہ نے بے رُوح رسمی شرع سے ہٹ کر تمام عمر جذبۂ صادق کی پرورش کی ہے ریا سے اجتناب کیا ہے اور اخلاص کی پرداخت کی ہے۔ بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی انا کو ملامت کا طریقہ اختیار کر کے دائم عذاب میں مبتلا رکھا ہے، ان کا یہ طریق بہر طور بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوا، اور اس کے ذریعہ سے ان کے متوسلین بھی قبولیت سے بہرہ یاب ہوئے بلاشبہ یہ رستہ ایک مختصر رستہ short cut ہے اور جلد باز اور عاشق مزاج طالب اسی کے طالب بنتے رہے ہیں۔ چنانچہ عراقیؒ فرماتے ہیں—

صنارہ قلندر سزد ار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

صاحب نفحات نے جادۂ قلندریہ کی ان خصوصیات سے طریقہ ابہریہ کے ان دو بزرگوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ مگر ہمیں اپنے مطالعہ اور تحقیق سے واضح ہوا ہے کہ جذبہ کی لو طریقہ ابہریہ کے تمام بزرگوں میں بہت اونچی رہی ہے اور اس دولت میں یہ طریقہ

---

[1] شیخ اوحدالدین کرمانیؒ اور شیخ اوحدالدین اوحدی اصفہانیؒ کے اوپر مذکور حالات طرائق الحقائق سے بھی ماخوذ ہیں۔ دیکھئے۔ ص ۶۲۷ تا ۶۳۲۔ ج ۲

دیگر طرق سے ممتاز رہا ہے۔ مثلاً شیخ رکن الدین سجاسیؒ سے یہ جذبہ شیخ شمس تبریزیؒ کے سینہ بے کینہ میں منقول ہوا تو وہ ہر وقت آتش بداماں رہنے لگے۔ پھر وہاں سے نکلا تو مولانا رومؒ کے لیے مادۂ آشفتگی بن گیا۔ ازاں بعد ان کے سلسلہ مولویہ کا آج تک نمایاں وصف یہی جذبہ ہے ؎۲

الطریقۃ الابہریہ الاوحدیۃ کے اس نمایاں وصف کو جس کی تحقیق اوپر ہوئی ہے اگر زبردست "تالیف" لاہور کے دو قدیم صوفی" کے مطالعہ کے دوران پیش نظر رکھا جائے تو اس سے حضرت اسحاق گازرونی علیہ الرحمۃ کے مزاج اور ان کی طریقت کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اس سلسلہ سے متوسل تھے اور انہوں نے انہی مشائخ کے "آثار قدم" سے دولت عرفان وقبول حاصل کی تھی۔

طریقہ اوحدیہ ابہریہ یا ابہریہ اوحدیہ میں وفور جذبہ اور قلندری فیض کی تحقیق جو اوپر ہوئی ہے اس کی تائید دور حاضر کے ایک برگزیدہ صاحب معنی ونظر نقشبندی بزرگ حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ محبوبی، توکلی اور مجددی متوفی ۱۹۶۱ء علیہ الرحمۃ کے ارشادات سے ہوتی ہے جو انہوں نے حضرت شیخ اسحقؒ گازرونی علیہ الرحمۃ کے بارے میں ان سطور کے راقم سے فرمائے۔ مثلاً آپ نے فرمایا "میرے حضرت خواجہ صاحبؒ (خواجہ محمد مصطفیٰ محبوب عالم سیدی نقشبندی مجددی توکلی متوفی ۱۹۱۷ء مصنف کتب ذکر خیر وخیر الخیر وتنویر الابصار والاسراء الجمیل الی الرب الجلیل) نے فرمایا تھا شیخ سید اسحاق گازرونیؒ اکابرین سے ہیں۔ ان کے مزار پر بیٹھنے سے نسبت پختہ ہو جاتی ہے" ازاں بعد راقم کو فرمایا "تم وہاں جایا کرو" راقم نے عرض کیا "مجھے وہاں سکر ہو جاتا ہے۔ لہذا مجھ پر وہاں حاضری کی پابندی نہ فرمائیں" فرمایا "ان کی نسبت طویل ہے

۱۔ رکن الدین شمس را گفت "ترا باید رفت و در روم سوختۂ ایست وا آتش در وی می باید زد"۔ شمس باشارت پیر روی بہ روم نہاد و در شہر قونیہ دید مولانا بر استر نشستہ تا بآخر قصہ۔ طرائق الحقائق ص ۳۱۶۔ ج ۲۔

۲۔ ترکی میں سلسلہ مولویہ برصغیر کے طریقہ قلندریہ سے مشابہ ہے۔ خاص محافل میں رقص (دھمگاڑ) ان کا امتیازی نشان ہے۔ لہذا یہ طریقہ رقاصیہ بھی کہلاتا ہے۔

لہذا سکر ہوتا ہوگا۔ مگر وہ جامع بھی ہے۔ اس لئے جایا کرو۔"

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح متوفی ۱۰۳۴ھ کے ایک مکتوب میں تحریر ہے کہ طویل نسبت منتہی قلندروں اور اہل جذبہ کی ہوتی ہے۔ اور جامع اور عریض نسبت ارباب سلوک اور صحو کی ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ سید اسحاق گازرونی رح کی نسبت طویل اور جامع ہے تو واضح ہوا کہ وہ منتہی اہل جذبہ ہیں مگر سالک کامل بھی ہیں۔

حضرت سید اسحاق گازرونی رح کے مقام و مرتبہ کی بلندی اور ان کی نسبت عزیز کی پیمائیش اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انکے معاصر مشہور شیخ الطریقہ حضرت سید امیر کبیر علی ہمدانی رح متوفی ۷۸۶ھ طریقت میں آٹھ[1] واسطوں سے حضرت ابو النجیب ضیاء الدین عبد القاہر سہروردی رح سے واصل ہوتے ہیں۔ جبکہ حضرت سید اسحاق گازرونی رح صرف چار[2] واسطوں سے ان سے جا ملتے ہیں۔

اور اگرچہ صوفیاء کا مشہور مقولہ ہے کہ دریں راہ ہر چند وسائط بیشتر قرب الہی بیشتر ترجمہ اس راہ میں جسقدر واسطے زیادہ ہوں قرب الہی اتنا ہی بڑھ جاتا ہے تاہم سند میں قلّت رجال نسبت کی اصلیت کے محفوظ رہنے پر دلالت کرتی ہے۔ نیز اس سے یہ پہلو بھی واضح ہوتا ہے کہ قلّت رجال کی وجہ سے عمروں کی زیادتی تھی۔ یعنی شیوخ سلسلہ کبیر السن تھے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اس نسبت کو انواع عبادات، ریاضات اور مراقبات سے خوب پختہ کیا تھا۔[3]

۱۔ امیر کبیر علی ہمدانی مرید شیخ محمود مزدقانی مرید شیخ علاء الدولہ سمنانی مرید شیخ نور الدین عبد الرحمٰن کسرقی اسفرائینی مرید شیخ جمال الدین احمد جوزفانی مرید شیخ علی بن لالا مرید شیخ نجم الدین کبریٰ مرید شیخ عمار یاسر اندلسی مرید شیخ ابو النجیب سہروردی (طرائق الحقائق ص ۳۲۱ ج ۲)

۲۔ سید اسحاق گازرونی مرید شیخ اوحد الدین اوحدی اصفہانی مرید شیخ اوحد الدین اوحد حامد کرمانی مرید شیخ رکن الدین سجاسی مرید ابو النجیب سہروردی رح

۳۔ اہل جذبہ طریقہ ملامت پر عامل ہونے کی بنا پر ریا سے مبرّا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا اخلاص کامل ہوتا ہے۔ لہذا پختگی اخلاص کی بنا پر انکی نسبت بنیادی طور پر پختہ ہوتی ہے (نسبت کا مطلب بھی اخلاص ہے۔)

چنانچہ گذشتہ صفحات میں مذکور حضرت خواجہ محبوب عالم سیدوی علیہ الرحمۃ کے اس قول "حضرت شیخ اسحاق گازرونی علیہ الرحمۃ کے مزار پر بیٹھنے سے نسبت پختہ ہو جاتی ہے" کی تشریح اور توضیح بھی یہی رہے ہے کہ شیخ گازرونی رح کو جو نسبت اپنے اکابر سے ملی تھی وہ ان کی سند طریقت میں قلت رجال کی بنا پر نہایت پختہ تھی لہذا اس نسبت سے جو طالب استفادہ کرے گا۔ اس کی نسبت بھی پختہ ہو جائے گی۔

بعض مورخین اور تذکرہ نگاروں نے اشتباہ کھایا ہے اور حضرت شیخ اسحاق گازرونی متوفی ۸۰۶ھ کے حالات اور حضرت شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی رح جنیدی متوفی ۴۲۶ھ کے حالات کو باہم غلط ملط کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث تو جناب میاں اخلاق احمد صاحب نے کی ہے۔ میں یہاں اس متشابہ الاسم شخصیت یعنی حضرت شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ان کا سلسلۂ طریقت چار واسطوں سے حضرت ابو القاسم جنید بغدادی متوفی ۲۹۸ھ تک پہنچتا ہے۔

ابو اسحٰق ابراہیم بن شہریار گازرونی رح مرید ابو علی حسین بن محمد الفیروز آبادی الاکار مرید ابو عبداللہ محمد بن الخفیف الشیرازی رح مرید شیخ ابو محمد بن احمد رویم رح مرید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی رح [1]

یہ اپنے زمانہ کے نہایت سربرآوردہ اور ماہر تربیت کار تھے اور اس بنا پر "مرشد" معروف ہو گئے تھے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رح اپنی تالیف لطیف کشف المحجوب میں مشائخ فارس کے ضمن میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

"شیخ مرشد ابو اسحٰق بن شہریار از محتشمان قوم بود و سیاستی عام داشت" [2]

ان سے کثیر اکابر زمان نے فیض اٹھایا۔ گویا وہ ایک زمانے کے مرشد تھے۔ چنانچہ ان کے سلسلہ کا نام بھی مرشدیہ ہوا [3]۔ یہ سلسلہ اوفیہ اور گازرونیہ بھی کہلاتا تھا۔ اور اس

۱۔ خزینۃ الاصفیا ص ۸۷۸ = طرائق الحقائق۔ ص ۴۹۶۔ ج ۲

۲۔ کشف المحجوب نسخہ ژوکوفسکی طبع ایران۔ ص ۲۱۵

۳۔ منوچہر حسنی : در احوال و آثار شیخ نجم الدین کبریٰ طبع تہران ۱۳۴۶ شمسی۔ ص ۷۳،

سے حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ جیسے عظیم مشائخ نے بوسائط ان سے فیض پایا ہے[1]

ان سے کثیر سلسلے متفرع ہوئے۔ اور ان کے متوسلین کا حلقہ ایران برصغیر پاک وہند اور چین تک پھیل گیا۔ چنانچہ نزہتہ الخواطر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں ملیبار کے علاقے میں کالی کٹ کے مقام پر سلسلہ گازرونیہ یا مرشدیہ کی ایک زبردست خانقاہ تھی جس کے شیخ حضرت خواجہ شہاب الدین گازرونیؒ تھے۔ وہ چین کے متوسلین سلسلہ ابی اسحاق گازرونی کے بھی ملجا تھے اور ان سے نذرانے وصول کرتے تھے۔ ابن بطوطہ نے انکے صاحبزادے فخر الدین گازرونیؒ سے ملاقات کی تھی چنانچہ اس نے اپنے سفرنامے میں انکا ذکر کیا ہے[2]

شیخ ابواسحٰق گازرونیؒ کا مزار پرانوار گازرون میں ہے۔ ابن بطوطہ وہاں ۷۲۷ھ میں حاضر ہوا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں وہاں کی خانقاہ کے حالات لکھے ہیں۔ منجملہ ان میں وہ بتاتا ہے کہ آں شیخ ابواسحٰقؒ کی عقیدت اہل ہند اور اہل چین کے نزدیک بہت ہے۔ چنانچہ ہندوستان اور چین کے سمندروں میں سفر کرنے والوں کی عادت ہے کہ جب ہوا مخالف ہو جائے اور چوروں کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ شیخ ابواسحٰقؒ کے نام کی نذر مانتے ہیں۔ چنانچہ جہاز کا ہر مسافر اپنے اپنے طور پر منت مانتا ہے۔ پھر جب جہاز سلامتی سے منزل مقصود پہ پہنچا دیتا ہے تو اس خانقاہ کے خدام جو ان سمندروں کی ہر بندرگاہ پر موجود ہوتے ہیں ان مسافروں سے نذریں وصول کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان اور چین کی طرف سے خلیج فارس (گازرون اس کے ساحل پہ واقع ہے) آنے والے ہر جہاز میں اس خانقاہ کی نذرونیاز کے ہزاروں دینار ہوتے ہیں جنہیں وکلائے خانقاہ (ایجنٹ) وصول کر لیتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ شہنشاہ ہند نے بھی اس خانقاہ کے لئے دس ہزار دینار کی نذر مانی تھی۔ جب خدام خانقاہ کو پتہ چلا تو ایک خادم ہندوستان روانہ ہوا اور نذر وصول کر کے واپس آ گیا[3]

---

[1] در احوال و آثار نجم الدین کبریٰ اویسی از منوچہر حسنی ص ۲۹، ۳۳، طرائق الحقائق ص ۳۰۹، ۳۳۵، ۳۴۶

[2] نزہتہ ۲ : ۶۰

[3] رحلتہ ابن بطوطہ تحقیق وتقدیم وتعلیق الدکتور علی المنتصر الکتانی طبع بیروت ۱۹۷۵ء ج ۱ ص ۲۳۶، ۲۳۷

اس ضمن میں جے ، اسپنسر ٹرائی منگھم نے بھی کچھ تفصیلات دی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ ہر بندرگاہ پر اس خانقاہ کے خدام اور خلفاء موجود ہوتے تھے ، جو مسافروں میں "برکت" تقسیم کرتے تھے اور شیخ ابواسحق کے نام سے نذریں وصول کرتے تھے۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آج کل راولپنڈی ، پشاور ، سیالکوٹ اور ملتان سے لاہور کی جانب چلنے والی اکثر بسوں پر حضرت علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش کا اسم گرامی اور ان کے بارے میں یہ مشہور شعر درج ہوتا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اس طرح بحر ہند اور بحر چین میں چلنے والے سفینے شیخ ابواسحق گازرونی کی عقیدت اور ارادت کے ساتھ چلتے تھے اور مصائب اور آفات میں ان کے مسافران کی روح سے مدد طلب کرتے تھے۔

شیخ ابواسحق ابراہیم بن شہریار گازرونی سے متفرع ہونے والے سلاسل کے لئے دیکھئے طرائق الحقائق جلد دوم ص ۱۷۳ ، ۳۰۹ اور ۳۲۹ ۔ شیخ فریدالدین عطار نے آپ کے حالات اور فرمودات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ دیکھئے تذکرۃ الاولیاء ص ۲۹۱ ، جلد دوم باب ۹ طبع لندن بسعی رینالڈ نکلسن ۔ ان کے حالات کے مزید ماخذ مندرجہ ذیل ہیں ۔

فارسنامہ ابن البلخی چاپ طہران ص ۱۱۹ ، تاریخ گزیدہ ص ۷۸۳ ، ۷۸۴ ، نزہتہ القلوب ص ۱۲۶ ، شیراز نامہ ص ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، نفحات الانس طبع کلکتہ ص ۲۸۶ ، ۲۸۷ ، حبیب السیر جزو ۳ ۔ از جلد ۲ ص ۶۴ ، سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۱ ، فارسنامہ ناصری جلد دوم ص ۲۴۹ آثار العجم ص ۳۲۶ ، ۳۲۷ اور نامۂ دانشوران ناصری جلد ۸ ص ۳۳ ۔[2]

کتب تاریخ اور تذکروں میں یہ شیخ ابواسحاق گازرونی نہایت معروف ہیں مگر جو سید اسحاق گازرونی متوفی ۸۹۶ھ زیر دست کتاب "لاہور کے دو قدیم صوفی" میں موضوع تحقیق ہیں ۔ ان کے بارے میں اکثر تذکرے خاموش ہیں اور جن چند کتب میں ان کا تذکرہ دستیاب

---

[1] دی صوفی آرڈرز ان اسلام طبع آکسفورڈ پریس لندن ۔ ۱۹۷۱ ۔ ص ، ۲۳۶

[2] دیکھئے جنید شیرازی ، معین الدین ابوالقاسم : شد الازار فی حط الاوزار عن زوار المزار ، بتصحیح و تقدیم و تحشیہ محمد قزوینی طبع تہران ۔ ص ۴۹ حاشیہ ۶

ہوتا ہے وہ بھی چند سطور سے زیادہ نہیں ہے اس لئے ان کے دیگر حالات کی تفصیلات کی طرح پر پتہ بھی نہیں چلتا کہ وہ لاہور میں کب اور کن حالات کی بناء پر آئے۔ کیا گازرون میں بدامنی اور بے چینی تھی۔ یا برصغیر کے بہتر حالات نے کشش کی یا تبلیغ و ارشاد کا داعیہ محرک ہوا مفتی غلام سرور نے صرف ایک فقرہ لکھا ہے۔

اوّل در شہر گازرون اقامت داشت بعد ازاں باشارت غیبی در لاہور آمد[1]

یہ فقرہ قریباً ایسے تمام صوفیاء کے حالات میں آتا ہے جو نقل مکانی کر کے دوسری جگہ بالخصوص برصغیر میں آئے اور اس کا عام پس منظر ان کے آبائی اور سابقہ علاقوں میں سیاسی بے چینی اور بدامنی ہی رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ گازرون میں حالات دگرگوں ہو گئے ہوں گے۔ شیخ رح نے برصغیر کے بہتر حالات کے بارے میں سنا ہو گا اور استخارہ کیا ہو گا۔ اشارہ اسی حق میں ہوا ہو گا تو شیخ رح حسب اشارہ یہاں تشریف لائے ہوں گے۔

بلاشبہ یہ قیاس اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ اور تاریخی حالات اس کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ برصغیر میں صوفیا کا کثرت سے ورود ان مواقع پر ہوا ہے جب بعض ممتاز حملہ آور یہاں قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت صوفیاء نے اپنے پاکیزہ کردار اور شیریں اخلاق سے اسلام کی اصل حکومت کو مقامی باشندوں کے اذہان و قلوب پر قائم کیا۔ مثلاً غزنوی دور میں جب لاہور سلطنت غزنین میں شامل تھا۔ صوفیائے کرام یہاں آئے۔ پھر شہاب الدین غوری کے حملہ کے وقت جب وہ اسلامی حکومت کو مستقل طور پر پورے برصغیر میں قائم کرنے کا خواہاں تھا۔ صوفیائے کرام کا دوسرا ریلا یہاں آیا اور اس وقت خواجہ معین الدین حسن سنجری رح نے لاہور سے آگے بڑھ کر اجمیر میں قیام کیا اور امام علی الحق شہید سیالکوٹی نے سیالکوٹ میں

ازاں بعد صوفیاء کا تیسرا ریلا برصغیر میں اس وقت وارد ہوا جب حضرت سیّد امیر کبیر علی ہمدانی رح متوفی ۷۸۶ھ کشمیر تشریف لائے۔ اس وقت کشمیر اور برصغیر کے سیاسی اور مذہبی حالات کیا تھے جو ان کی آمد کا محرک ہوئے۔ اس بارے میں مختصراً عرض ہے کہ اس سے پہلے محمد تغلق (۷۲۵ھ-۷۵۲ھ) برصغیر پر حکمران تھا۔ اس کے زمانے میں برصغیر بغاوتوں اور بدنظمی کا شکار رہا۔ پروفیسر آغا مہدی حسین نے ایسی ایکیس (۲۱) بغاوتوں کا حال لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ بغاوتیں ہنود کی طرف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی طرف سے ہوتی تھیں۔ اور ان میں سرکردہ لیڈر مسلمان

---

[1] خزینہ۔ ص۔ ۹۳۷

علماء، فقہا، قضاۃ، خطباء، مبلغین اور مشائخ یا اولیاء اللہ ہوتے تھے۔ جو برنی کے بقول "خواص خلق" اور "مردم گزیدہ و چیدہ تھے"۔ چنانچہ پہلے جب کوئی بغاوت فرو ہوتی تھی تو سلطان کے ظلم و ستم کا نشانہ یہی اکابرین بنتے تھے۔ Sultan Muhammad Put Them Ruth Less ly to death [1]

چنانچہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رح متوفی ۷۵۰ھ اس کے ہاتھوں قید ہوئے اور شیخ شہاب الدین رح حق گو شہید ہوئے۔ جبکہ شیخ شمس الدین رح کو برصغیر ترک کرنے اور کشمیر جانے پر مجبور کیا گیا[2]

لہذا اس دہشت اور بددلی کی بنا پر جو اس کی طرف سے علمی اور عرفانی حلقوں میں پھیل چکی تھی۔ اکابرین وطن عزیز کو چھوڑ کر باہر جانے لگے۔ سید جلال الدین بخاری اوچی معروف بہ مخدوم جہانیاں بلادِ عرب میں چلے گئے اور کافی عرصہ وہاں سیاحت اور علمی استفادہ کرتے رہے حتیٰ کہ پھر فیروز شاہ کے زمانے میں واپس برصغیر آئے[3] یہی حال شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور سید اشرف جہانگیر سمنانی کا تھا۔

محمد شاہ تغلق کے بدامنی اور بدنظمی کے دور کے بعد فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ-۷۹۰ھ) کا عہد حکومت دو حصوں میں منقسم ہے۔ جس میں سے پہلا دور بیس سال (۷۵۲ھ، ۷۷۲ھ) کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس میں اس نے اپنے پیشرو کی پالیسیوں کو کم و بیش برقرار رکھا[4] اور اگرچہ اکابرین پر وہ سختیاں نہیں رہی تھیں۔ لیکن ابھی انہیں حکومت کے ہاں عزت و احترام کا وہ مقام نہیں ملا تھا۔ جو سابقہ حکومتوں میں ان کو حاصل تھا۔ چنانچہ فیروز شاہ بھی اپنے پیشرو کی طرح مقامی اکابرین کی نسبت باہر سے آنے والے اکابر کو زیادہ وقعت دیتا تھا[5]

دوسری طرف کشمیر میں حالات اور زیادہ خراب تھے۔ اکثر آبادی ہندو کی تھی اور جو لوگ دولتِ اسلام سے شرف یاب ہو چکے وہ اسلام کے بارے میں بہت کم معلومات رکھتے۔ لہذا

۱۔ تغلق ڈائنسٹی۔ طبع کلکتہ۔ ۱۹۳۳ء ص ۲۶۱
۲۔ ایس۔ ایم۔ اکرام: مسلم رول ان انڈیا۔ طبع لاہور ۱۹۶۶ء۔ ص ۹۷
۳۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۵۰ ج ۲ طبع نولکشور ۴۔ تغلق ڈائنسٹی۔ ص ۳۹۲
۵۔ ایس ایم اکرام: مسلم رول ان انڈیا۔ ص ۱۰۴

وہاں تبلیغ و ہدایت کی ضرورت بہت شدید تھی۔ وہاں کا حکمران سلطان شہاب الدین ایک بیدار مغز، اور بہادر آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے بارے میں معروف ہے کہ "روزی کہ نامہ فتح از جای نمی آمد آنروز را داخل ایام عمر نمی دانست"[۱] اس نے پکھلی سوات گلگت بلتستان اور لداخ پر قبضہ کرنے کے بعد کوہ ہندوکش تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ پھر پنجاب (لاہور۔ ملتان) کو اپنی حدود مملکت میں لانے کے بعد راجہ نگر کوٹ سے مقابلہ کے لئے بڑھا اور اس کو شکست دی۔ ازاں بعد دہلی کی طرف متوجہ ہوا اور فیروز شاہی افواج کو دریائے ستلج کے کنارے شکست فاش دی۔ فیروز شاہ نے صلح کر لی۔ اور سرہند تک کا علاقہ شہاب الدین کی سلطنت کشمیر میں شامل تسلیم کر لیا گیا۔[۲] یہ واقعہ ۷۶۲ھ کا ہے۔ اس وقت ترک شہاب الدین فاتح کا روپ دھارے ہوئے تھا۔ اور ہنوز اس کے اندر معاشرتی اصلاح اور مذہب کی ترویج کا داعیہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

علاوہ ازیں پنجاب کی حالت یہ تھی کہ یہاں کے ہندو راجے سر ابھارتے رہتے تھے اور دہلی کی حکومت ان کا محاسبہ نہیں کر سکتی تھی۔ نیز منگول اکثر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ پھر فیروز شاہ تغلق کے ساتھ سلطنت کشمیر کی جنگوں کا میدان بھی یہی علاقے بنتے تھے۔ چنانچہ پنجاب کا امن و سکون برباد رہتا تھا۔

ایسے حالات میں برصغیر کے صوفیا اور کشمیر کے اکابرین بیرون برصغیر[۳] سے کسی ایسی مؤثر شخصیت کی تلاش میں کوشاں ہوئے جو ایک طرف برصغیر میں حکومت کے ہاں اکابرین کا سابقہ احترام بحال کر سکے اور دوسری طرف خطۂ کشمیر میں تبلیغ و ارشاد کے عظیم کارنامے کو باحسن وجوہ انجام دے سکے۔ یہ شخصیت بالآخر انہیں حضرت امیر کبیر علی ہمدانی رح کی ذات بابرکات میں مل گئی۔

۱۔ تاریخ فرشتہ طبع نولکشور۔ ص ۳۳۹ ج ۲

۲۔ ایضاً۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں۔ ص ۷۹ طبع اعظم گڑھ۔ سیدہ اشرف ظفر: امیر کبیر علی ہمدانی طبع لاہور ص ۱۲۳ و ۱۲۴ = گیتی آرا سالک = نگارشات پروفیسر علم الدین سالک: کشمیر میں مسلم کلچر ص ۱۶۷ = تاریخ فرشتہ ص ۳۳۹ ج ۲

۳۔ کیونکہ محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق بھی بیرونی علماء کے زیادہ قدر دان تھے۔ اور مقامی علماء کی زیادہ قدر نہ کرتے تھے۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق کے دربار میں ابن بطوطہ ۹ سال منصب قضاۃ پر فائز رہا۔ (شیخ محمد اکرام: مسلم رول ان انڈیا۔ ص ۱۹۸)

چنانچہ حضرت امیرؒ نے اپنے دو عم زادوں کو کشمیر روانہ کیا۔ جن میں سے حضرت سیّد میر حسین سمنانیؒ نے سلطان کشمیر شہاب الدین کو متاثر کیا اور وہ ان کا مرید ہو گیا۔ ازاں بعد حضرت امیرؒ خود تشریف لائے تو ان کے اثر و رسوخ سے شہنشاہ ہند اور سلطان کشمیر کے مابین جنگوں کے سلسلے کا خاتمہ ہو گیا

پھر ان دونوں کے مابین پیار و محبّت کے رشتے استوار کرنے کے لئے حضرت امیر کبیرؒ نے فیروز شاہ کے تین لڑکوں کی شادیاں شہاب الدین کی تین لڑکیوں سے کر دیں[1]۔ اس طرح برصغیر اور کشمیر دونوں مقامات پر امن و امان کی فضا قائم ہو گئی۔ چنانچہ شہاب الدین کے حالات میں درج ہے کہ اس نے عمر کے آخری نو (۹) سال جنگ و جدل سے برطرف رہ کر نہایت سکون سے گذارے[2]۔ جہاں کشمیر اور پنجاب میں اس کی حدود سلطنت میں امن و امان پیدا ہوا وہاں صوفیائے کرام اور علمائے عظّام کو مذہب کی ترویج و اشاعت کی پوری آزادی بھی ملی۔ چنانچہ علاّمہ اقبالؒ نے اس کی تعریف میں کہا ہے۔ ”خاک ما دیگر شہاب الدین نزاد“

ازاں بعد اس کا بیٹا ہندل قطب الدین (۷۶۲ھ/۱۳۶۳ء - ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) خود حضرت امیر کبیرؒ کا مرید تھا۔ اس کا سارا دورِ حکومت نہایت پُرسکون تھا اور اسلامی رشد و ہدایات کا ایک زرّیں باب تھا۔ اس دَور میں حضرت سیّد امیر کبیرؒ کشمیر میں قیام پذیر ہوئے۔ ان کے ساتھ سادات کے سات سو افراد بھی کشمیر آئے۔ علاوہ ازیں ان کے تحریک سے سادات علماء، عرفا اور مبلّغین برصغیر میں بھی آ کر قیام پذیر ہوئے۔ خصوصاً پنجاب میں جو ان دنوں سلطنت کشمیر میں شمار ہوتا تھا۔ اور کشمیر اور برصغیر دونوں جگہ کی حکومتوں نے ان کی خاطر خواہ پذیرائی کی۔ یقیناً ایران کے صوفیاء کے لئے ان بہتر حالات میں سامانِ دعوت اور وجہِ کشش موجود تھی۔ جسے ایرانی علاقوں میں مقامی بدامنی اور بے چینی نے اور زیادہ کر دیا۔

چنانچہ آخری ایلخانی حکمران انوشیروان عادل (۷۴۴ھ-۷۵۶ھ) کی وفات کے بعد ایران میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ پھر امیر تیمور گورگان معروف بہ صاحبقران (۷۳۶ھ-۸۰۷ھ) نے ۷۷۱ھ میں التاج حکومت پہنا اور ۷۸۰ھ/۱۳۸۰ء میں خراسان مازندران افغانستان اور سیستان پر حملہ کر کے ان پر قبضہ کر لیا۔ پھر ۷۸۴ھ/۱۳۸۴ء میں مازندران۔ آذربائیجان عراق اور فارس (شیراز)

---

[1] سیّدہ اشرف ظفر: حضرت سیّد امیر کبیر علی ہمدانیؒ طبع لاہور۔ ص ۱۲۱

[2] محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں۔ ص ۱۰۷

پر دوبارہ حملہ کرکے ان کو اپنا مطیع کیا۔ یہاں تک کہ ۷۹۲ھ/۱۳۹۲ء میں شیراز پر دوسرا بڑا حملہ کیا اور وہاں کی مقامی حکومت دولت مظفریہ کا خاتمہ کر دیا۔[1]

ایرانی علاقوں میں سب سے بڑی بے چینی بھی تھی جس کا اثر ماوراءالنہر پر سب سے زیادہ ہوا۔ وہ علماء، صلحا اور عرفا و سادات کا مرکز تھا۔ چنانچہ وہاں ۷۸۰ھ/۱۳۸۰ء میں تیمور کے پہلے حملہ ہی سے پریشان ہو کر اشارہ غیبی کی بنا پر حضرت[2] امیر کبیر علی ہمدانی ؒ سات سو سادات ہمراہ لے کر کشمیر آ گئے جو تیمور کی دست برد سے محفوظ تھا۔[3] اسی طرح دیگر صوفیائے کرام بھی اشارہ غیبی (استخارہ) کے بعد برصغیر کے لئے آمادۂ سفر ہوئے۔

آٹھویں صدی ہجری میں برصغیر کشمیر اور ایران کے سیاسی اور مذہبی حالات کے پس منظر کی اس تحقیق کے بعد حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی برصغیر میں آمد کے بارے میں دو قسم کے قرائن سامنے آتے ہیں۔

(۱) برصغیر میں گازرونی سادات اوچ کے مقام پر قدیم زمانہ سے آباد تھے[4] اور وہاں کے بخاری گیلانی سادات کے ساتھ ان کے روابط قائم تھے۔ چنانچہ سلطان محمد تغلق کے دور بدامنی میں جب وہاں کے حضرت مخدوم جہانیاں ؒ بددل ہو کر بلادِ اسلامیہ کے سفر پہ گئے[5] تو وہ گازرون بھی گئے اور وہاں حضرت شیخ سید امین الدین گازرونی ؒ[6] کی خانقاہ کے سجادہ نشین شیخ امام الدین گازرونی ؒ سے خلافت، سجادہ اور مقراض لائے تھے۔ یقیناً گازرون میں قیام کے دوران وہ وہاں کے دیگر اکابر سادات سے بھی ملے ہوں گے۔ اور انہیں میں ان کی ملاقات حضرت سید اسحاق گازرونی ؒ سے بھی ہوئی ہوگی۔ اور بہت ممکن ہے کہ ان کو برصغیر آنے کی ترغیب بھی حضرت مخدوم جہانیاں ؒ ہی نے دی ہو جس کو مزید تقویت ان روایات کے سماع سے ملی ہو جو بقول ابن بطوطہ ایرانی علماء کے لئے

---

۱ تا ۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے، سیدہ اشرف ظفر: سید امیر کبیر علی ہمدانی ؒ طبع لاہور ۱۹۷۶ء۔ ص ۵۵، ۶۲، ۶۴، ۶۵، ۷۳، ۷۶۔

۴۔ مسعود حسن شہاب: خطۂ پاک اوچ، اردو اکیڈمی بہاولپور ۱۹۶۷ء ص ۱۴۲، ۱۹۳

۵۔ ایضاً۔ ص ۲۲۶۔ ۶۔ آپ شاہ فارس اتابک مظفرالدین تکلہ بن زنگی کے وزراء میں سے تھے۔ کبار اولیاء میں شمار ہوتے تھے۔ اکثر اہل فارس ان کے مرید تھے۔ اور خود حاتم زمانہ تھے۔ حافظ شیرازی نے ان کی مدح کہی ہے۔

۷۔ احمد امین رازی: ہفت اقلیم، تہران ج ا ص ۱۷۷، ۱۷۸ خزینہ ص ۲۶۔

سلاطینِ ہند کی گراں قدر نوازشات اور شاندار پذیرائی کے بارے میں وہاں مشہور تھیں ۱؎ چنانچہ ایک قرینہ یہ ہے کہ جب حضرت مخدوم جہانیاںؒ فیروز شاہ تغلق کے پُر امن دور میں اوچ واپس آئے تو حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح بھی ان کے ساتھ برصغیر تشریف لے آئے۔ اور براہ اوچ لاہور آئے۔

(۲) حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح کی عمر عزیز کا اکثر حصّہ فارس اصفہان اور ماوراء النہر میں گذرا ہے۔ جہاں حضرت امیر کبیر علی ہمدانی رح کی آمد و رفت بھی رہی ہے۔ لہذا قوی امکان ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی باہم ملاقاتیں ہوئی ہوں گی۔ اور چونکہ دونوں بزرگوں کی سندِ طریقت شیخ ابو النجیب سہروردیؒ پر جا کر ایک ہو جاتی ہے۔ دونوں کے درمیان محبت کے روابط مضبوط ہوں گے اور اس لئے کہ حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح کی سندِ طریقت قلّت وسائط کی بناء پر حضرت امیر کبیر رح کی سندِ طریقت سے افضل ہے حضرت امیر کبیرؒ ان کا احترام روا رکھتے ہوں گے۔

چنانچہ جب حضرت امیر کبیر رح ایران کے مختلف علاقوں میں تیموری یورشوں کے باعث سادات کے قافلوں کو لے کر ۷۷۴ھ، ۷۸۱ھ اور ۷۸۵ھ میں تین بار کشمیر میں تشریف لائے ۲؎ تو کسی قافلہ میں شامل ہو کر حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح بھی برصغیر آ گئے۔

لیکن اگر آپ مذکورہ بالا آخری دو سفروں میں یعنی ۷۸۱ھ یا ۷۸۵ھ میں برصغیر آئے ہوں۔ تو اس حساب سے آپ کی وفات ۷۸۶ھ تک آپ کا یہاں زمانہ قیام علی الترتیب پانچ سال یا دو سال ہوتا ہے جو مفتی غلام سرور لاہوری کی اس معروف روایت کے خلاف ہے کہ
"باشارت غیبی در لاہور آمدہ مدت مدید بہدایت خلق مصروف ماند" ۳؎ کیونکہ پانچسال یا دو سال کا عرصہ مدت مدید نہیں ہوتا۔ لہذا ان سے قبل کے زمانہ پر نظر کرنا ہوگی۔ چنانچہ آپ یا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ ۷۷۲ھ میں یہاں آئے یا حضرت امیر کبیرؒ کے ساتھ ۷۷۴ھ میں تشریف لائے۔ اس حساب سے لاہور میں آپ کا زمانہ قیام الترتیب چودہ سال اور ۱۲ سال ہوتا ہے جو کسی حد تک مدتِ مدید شمار ہو سکتا ہے۔

لیکن ان دونوں قرائن کا تجزیہ کرنا اور یہ فیصلہ کرنا کہ آپ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ برصغیر آئے تھے یا حضرت امیر کبیر رح کے ساتھ ایک مشکل امر ہے۔ کیونکہ لاہور جہاں آپ

---

(۱) رحلۃ ابن بطوطہ، مصر، ج ۱ ص ۲۳۰-۲۲۳ الفصل الرابع، العراق و فارس: مدینۃ شیراز
(۲) سیّدہ اشرف ظفر: امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ ص ۷۵، ۷۶
(۳) خزینہ، ص ۲۳۶

قیام پذیر ہوئے ملتان (جس کے قریب اوچ واقع ہے) اور پشاور کے مابین واقع تھے اور یہ دونوں شہر ان دنوں برصغیر وارد ہونے کے دو معروف دروازے تھے۔ چنانچہ لاہور کا عزم کرنے والا آدمی ان دونوں راستوں سے یہاں آسکتا تھا۔ لہذا اگر آپ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ تشریف لائے تو پہلے اوچ پہنچے اور پھر وہاں سے لاہور آئے۔ اور اگر آپ حضرت امیر کبیرؒ کے ساتھ آئے تو آپ اکیلے کیسے برصغیر وارد ہو گئے۔ جبکہ آپ کے قافلے کے اکثر لوگ کابل سے سیدھے کشمیر گئے؟

تاہم میرے نزدیک غالب قرینہ یہی ہے کہ آپ حضرت امیر کبیرؒ کے ساتھ آنے والے قافلہ سادات میں ہم، ۷ھ میں لاہور تشریف لائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بارے میں مخدوم العلماء و مرجع العرفاء حضرت مولانا سیّد محمد حبیب اللہ نقشبندی مجددی۔ توکلی۔ محبوبی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۹۶۱ء کا ایک ارشاد درج کرنا افادیت سے خالی نہیں ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا :۔

"حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ اور حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ کے مابین محبت اور احترام کے مضبوط رشتے قائم تھے۔ جب امیر تیمور کی مخالفت کی بنا پر حضرت امیر کبیرؒ سات سو سادات کے ایک قافلہ کو لے کر کشمیر کی طرف روانہ ہوئے تو اس قافلہ میں حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ بھی شامل تھے۔ مگر کشمیر پہنچ کر حضرت امیر کبیرؒ کو معلوم ہوا کہ حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ موجود نہیں ہیں۔ تو آپ بہت فکر مند ہوئے اور آپ نے ان کی تلاش میں آدمی روانہ کئے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کابل کے قریب قافلہ سے جدا ہو گئے تھے اور پھر کسی اور قافلہ میں مل کر برصغیر پہنچ گئے ہیں اور لاہور میں قیام پذیر ہیں۔ اس پر آپ کو اطمینان ہوا۔ مگر پھر آپ نے پیغام بھیجا کہ کشمیر تشریف لے آئیں تو حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ نے جواباً کہلا بھیجا کہ اب لاہور ہی سکونت رہے گی۔"

مزید برآں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ کے تعلقات حضرت امیر کبیرؒ کے علاوہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے بھی گہرے تھے۔ یہ تینوں بزرگ قریباً ہم عمر تھے۔ انہوں نے طویل عمر پائی۔ اور ایک ہی سال ۷۸۶ھ میں فوت ہوئے۔ ان میں سے

حضرت مخدوم جہانیاںؒ سلطان فیروز شاہ تغلق کے پیشوا تھے ۱؎ اور حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ والیٔ کشمیر سلطان ہندل قطب الدین (۷۸۱-۷۹۶ھ) کے مرشد برحق تھے ۲؎ جبکہ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کی اپنی شخصیت بھی نہایت بااثر اور ممتاز تھی اور لاہور میں پنجاب کی صوبائی حکومت آپ کے ارشاد کو سرآنکھوں پر رکھتی تھی۔ چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں

"وعلمائے عظام و سادات کرام لاہور در حلقۂ اطاعت وے در آمدند و بمہات ظاہری و باطنی مدد از روے می خواستند ۳؎"

یعنی لاہور کے علماء اور سادات اپنی دنیاوی مشکلات کے حل کے لئے آپ سے حکومت کے نام سفارش کی درخواست کرتے تھے اور آپ کی سفارش حکومت منظور کرتی تھی۔

حضرت شیخ سید اسحاق گازرونیؒ کے معاصر مشائخ میں سے حضرت امیر کبیر علی ہمدانیؒ متوفی ۷۸۶ھ کے علاوہ برصغیر میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ متوفی ۷۸۲ھ اور شیخ سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ متوفی ۸۰۸ھ ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے خلفاء میں سے شیخ حمید قلندرؒ (صاحب خیر المجالس) متوفی ۷۹۸ھ، شیخ یوسف چشتیؒ متوفی ۷۹۰ھ، شیخ احمد تھانیسری متوفی ۸۱۵ھ اور خواجہ گیسو درازؒ متوفی ۸۲۵ھ ہیں۔ خواجہ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے صاحبزادے حضرت صدر الدین عارفؒ متوفی ۷۷۶ھ بھی اسی زمانے میں تھے۔

بیرون برصغیر سلسلہ خواجگان میں سے حضرت شیخ امیر کلالؒ متوفی ۷۷۲ھ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ (سرخیل سلسلہ نقشبندیہ) متوفی ۷۹۱ھ اور خواجہ علاؤ الدین عطارؒ متوفی ۸۰۲ھ کے ارشاد و ہدایت کی سرگرمیوں کا زمانہ بھی یہی تھا۔

بہرحال شیخ سید اسحٰق گازرونیؒ ایک بزرگ نسبت اور گرامی قدر نعمت لے کر برصغیر آئے تھے۔ اور آج بھی سلسلہ اوحدیہ ابہریہ کی نسبت کا حامل درویش کامل ان کے سوا پورے برصغیر میں اور کوئی نہیں ہے ۴؎ اور اس بنا پر یہ تمام صوفیائے برصغیر میں ممتاز ہیں۔

---

(۱) نزہۃ الخواطر، ج ۲ ص ۲۹ (۲) امیر کبیر سید علی ہمدانی۔ ص ۱۲۸، ۱۳۰

(۳) خزینہ، ص ۹۳۷

(۴) سلسلہ اوحدیہ سجاسیہ ابہریہ یا سلسلہ ابہریہ سجاسیہ اوحدیہ کی دیگر شاخوں کے لئے جو ایران میں شائع ہوئیں، دیکھئے طرائق الحقائق ج ۲ ص ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۵، ۳۲۲، ۴۴۲، ۶۲۲ = حسین کربلائی تبریزی: حافظ ابن الکربلائی: روضات الجنان و جنات الجنان طبع تہران ۱۳۴۴ شمسی / ۱۹۶۵ء ج ۱ ص ۱۰۴، ۲۳۴، ۲۵۰، ۲۶۹، ۴۷۳ = شد الازار ص ۴۹ حاشیہ ۶۔

حضرت سید صوف علیہ الرحمۃ کے بارے میں میرے پاس کوئی زیادہ معلومات میسر نہیں ہیں۔ سوائے ان فرمودات کے جو مخدوم العلماء مرجع العرفاء حضرت مولانا سید محمد حبیب اللہ نقشبندی مجددی توکلی حجوبی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمائے۔

(۱) نام: محمد حبیب اللہ، کنیت: ابوالعالم۔ عرف: مولوی صاحب گجرات والے، عرش مجید پر حبیب الرحمٰن اور بارگاہ رسالت میں مولوی صاحب گجرات والے کہہ کر یاد کیا گیا۔ پیدائش: بارہ ۱۲ رجب ۱۳۱۲ھ / ۹ جنوری ۱۸۹۵ء وفات: جمعرات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ / ۵ اکتوبر ۱۹۶۰ء جائے ولادت: موضع جعفرکوٹ تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر۔ جائے وفات و مزار: شہر گجرات پنجاب۔ خاندان: سادات حسنی۔ والد: مولانا سید عطا محمد متوفی ۱۸۹۹ء، مختار عام رئیس رعداس دادا جان: شجرۃ العلوم مولانا حافظ سید سکندر شاہ معروف بہ نتھے شاہ متوفی ۱۹۰۱ء مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی اور مولانا فضل حق خیر آبادی کے ممتاز شاگرد، سلسلہ عالیہ قادریہ و سہروردیہ کے نہایت باا ثر شیخ طریقت۔

تعلیمی کوائف:۔

(۱) علوم دین، عربی، فارسی زبان وادب از بحر العلوم مولانا محمد عالم آسی امرتسریؒ و مولانا اصغر علی روحیؒ

(۲) سند اجازۃ مرویات صحاح ستۃ علی المشکوٰۃ۔ از صدر الافاضل مفتی نعیم الدین مراد آبادیؒ۔

(۳) ڈگری منصب پادری (LICENTIATE IN DIVINITY) از کیمبرج یونیورسٹی لندن، سنٹر امتحان۔ امرتسر۔ استاد: ایس مرکیڈو سال: ۱۹۱۵ء امتیاز: گولڈ میڈلسٹ۔

(۴) میٹرک۔ ۱۹۱۴ء، ایم۔اے۔او ہائی سکول امرتسر۔ تقریری مقابلوں میں اوّل۔

(۵) الیف۔اے۔ ۱۹۱۶ء پرائیویٹ۔ تاریخ یورپ مفصّل خاص مضمون۔

(۶) تدریس کا پیشہ وارانہ امتحان: جے اے وی از اسلامیہ کالج لاہور سال ۱۹۱۷ء امتیاز: اوّل

تدریس:۔

جون ۱۹۱۷ء میں خود نواب سر فضل علی آپ کو زمیندار ہائی سکول گجرات (پنجاب) لے گئے۔ آغاز مشاہرہ: ۶۰ روپے جو اس زمانے میں لیکچرار کا گریڈ تھا۔ مضمون تدریس: انگریزی زبان۔ زمانہ تدریس: ۱۹۱۷-۱۹۴۶ء = ۲۹ سال۔

بقیہ حاشیہ سو وہ نقل ہیں۔

بیعت و شیخ طریقت: سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ میں ۱۹۱۴ء میں از حضرت خواجہ محبوب عالم توکلی سیدویؒ، صاحب ذکر خیر متوفی ۱۹۱۷ء اجازت و خلافت: ۱۹۱۶ء نعمت تامہ: وقت وفات ارشاد شیخ: مولوی صاحب! مان دیگاں یکا ئیاں تے نسی ورتا ئیو:

دیگر اجازات:

(۱) نسبت قادریہ ۱۹۱۷ء مجاز از حضرت قاضی سلطان محمودؒ ساکن اعوان شریف۔
(۲) نسبت چشتیہ ۱۹۳۶ء مجاز از حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ۔
(۳) نسبت نقشبندیہ مجددیہ زبیریہ: ۱۹۲۰ء از حضرت میاں شیر محمدؒ شرقپوری بر موقعہ سالانہ عرس مکان شریف۔ ارشاد حضرت میاں صاحب قبلہ: "اوجنیا اج ساری خلقت شیر محمد دی اک جھلک لئی بیتاب اے تے شیر محمد تینوں ویکھدا نہیں رجدا۔ تیرا پیر نور نے توں نورٌ علیٰ نور ہے۔ ساڈے کولوں وی حصّہ لے جا"۔ پھر بغل گیر کر کے نسبت القاء کی۔ اور اپنی تسبیح مبارک عنایت فرمائی۔

تحقیق علوم و معارف و احوال ——————

ہر مسئلہ کی خوب تحقیق کرتے تھے تب عمل کرتے تھے۔ اور طریقہ تحقیق ایسا نفیس تھا کہ علماء دنگ رہ جاتے تھے۔ معارف یقین آفرین اور شارح کتاب وسنّت اور احوال اکابر متقدمین کے احوال کی سچی تصویر۔ حکیم الامّت مفتی احمد یار خانؒ اکثر اپنے صبح کے درس قرآن میں آپ کے ان تینوں خصائص کو بیان کیا کرتے تھے۔ آپ کی مجلس ارباب علم و فضل اور اصحاب عرفان و کمال سے آراستہ ہوتی تھی۔ اور وہاں مردم چیدہ دگر بدہ کسب فیض کرتے نظر آتے تھے۔

آپ نے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۶۱ء تک ۴۶ سال مسند ارشاد و ہدایت کو رونق بخشی بہت سے فاضل انگریز پادری آپ کے وسیع مطالعہ تقابل ادیان اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر دولت اسلام سے مشرف ہوئے سینکڑوں غیر مسلم اسلام لائے اور لاکھوں طالبان مولا نے آپ سے نام حق کی تلقین پائی۔ آپ کی ذات بابرکات اہل سنّت وجماعت کا بڑا مرکز، علماء و فضلاء کا مرجع اور اولیاء و عرفاء کا معیار تھی۔ چنانچہ حضرت صدر الافاضلؒ نے ۱۹۳۶ء میں جب آپ کو مرویات صحاح ستہ کی اجازت دی تو پہلے آپ سے یہ طے کر لیا

"یہ صاحب نوجوانی میں ایک بلوے میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی نسبت بہت تیز ہے۔ طبیعت جلالی ہے اور ان کا فقر ننگی تلوار ہے۔ ایک عالم فاضل شخص سیّد فضل شاہؒ ایک دفعہ ان کی قبر پر آکر بیٹھا تھا۔ ان کی رُوح اس کی طرف مائل ہو گئی۔ آناً فاناً ایسے نسبت القاء کی اور اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے زمانے میں بہت بھاری مجذوب ہوا۔ مگر صاحبِ مزار کی کشش اس پر اتنی غالب تھی کہ باقی تمام عمر انکے قرب وجوار ہی میں رہا اور کسی اور طرف نہیں گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ صاحب حضرت سیّد اسحاق گازرونی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھائی ہیں اور پیر بھائی بھی۔ مگر یہ بات بھی پایہ تحقیق تک نہیں پہنچی"۔ [1]

"نسبت کی تیزی اور جذب کا غلبہ حضرت سید صوفؒ میں ہے مگر مقام کی بلندی، علم وفضل اور ارشاد و ہدایت میں حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ ان سے بہت اونچے ہیں"۔

یہ چند الفاظ گرامی قدر جناب میاں اخلاق احمد صاحب کے اصرار سے اس غرض سے تحریر کئے ہیں کہ قاری کو ان کی اس جدید تصنیف کے پڑھنے میں ان سے کچھ رہنمائی اور مدد مل سکے۔ اُمید ہے کہ میری اس کوشش سے فائدہ پہنچے گا۔ جبکہ اصل کام خود جناب میاں صاحب کی مساعیٔ جمیلہ ہیں۔ جنہیں وہ رشتہ تصوف کے ان خوبصورت اور قیمتی موتیوں کی قدر وقیمت کو علمی دُنیا کے سامنے واضح کرنے کے لئے انجام دینے کے درپے رہتے ہیں۔ جس کے لئے صوفیاء کے ارادت مند اور علمی حلقے دونوں ان کے ممنون ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

سید محمّد کبیر احمد مظہر

حاشیہ صفحہ ۳۱ سے آگے

[1] مفتی غلام سرور لاہوری حدیقۃ الاولیاء طبع لاہور ۱۹۰۶ء - ص ۲۴۹

کہ آپ ازاں بعد مجھے اپنی نسبت القاء کریں گے۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ بھی گجرات تشریف لائے تھے۔ آپ سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور نہایت متاثر ہوئے اور آپ سے التماس کر کے توجہ لی۔ زمانہ قریب میں جن اکابر علماء نے آپ کی صحبت اٹھائی اور آپ سے فیض پایا۔ ان میں حکیم الامت مفتی احمد یار خانؒ، مولانا مفتی امین الدین کامونکیؒ، مولانا قاری احمد حسین فیروز پوریؒ، مولانا عبدالکریم قلعہ داریؒ، مولانا محمد عالم قلعہ داریؒ اور مولانا سیّد جلال الدین شاہ صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث دارالعلوم بھکھی شریف کے اسماء لئے جا سکتے ہیں۔ حضرت مُلّا منّور بازارؒ نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا: "سبحان اللہ! عجب سینۂ صافی است کہ مثلش ندیدہ ام ومباہات می کنم کہ مثل ایشاں در طریقہ جدّ گرامی ما حضرت امام ربّانیؒ ہستند"۔

تعارف

جناب انجم رحمانی صاحب (ایم اے)

لاہور میں اشاعتِ اسلام

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت کی تاریخ نہایت دلچسپ اور دلپذیر ہے مگر کج اندیش متعصب یورپی اور ہندو مورخین نے اپنی بدنیتی اور تیرہ دلی کی بنا پر اس داستان کو ہمیشہ مسخ ہی کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ہمیشہ سے یہی پروپیگنڈا کرتے چلے آ رہے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت بزورِ شمشیر اور صرف زر سے ہوئی۔ شاید انہیں ان حقیقت کے اعتراف میں عار ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور برصغیر میں اس کی پذیرائی کا بڑا سبب یہی ہے۔ خدا کا خوف رکھنے والے تجار، علماء، فضلا، صلحا، صوفیا اور اکابرینِ عظام نے جب اپنے سیرت و کردار کے ذریعہ اس کا عملی نمونہ یہاں کے لوگوں کے سامنے پیش کیا تو وہ بطیب خاطر اس کی طرف راغب و مائل ہوئے۔ ان بزرگوں کی کوششیں قابلِ صد تحسین ہیں کہ ان کے عمل اور تبلیغ سے اس سرزمین سے کفر و الحاد کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹے۔ دلوں کی تاریکیاں ڈھلیں۔ ذہنوں کے زنگار اترے اور لوگوں کے دل و دماغ ربِ واحد کے حسین تصور سے روشن ہو گئے۔

سادہ لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر کے لوگوں کا قبول و ایجاب اسلام برضا و رغبت تھا نہ کہ بزورِ شمشیر اور صرفِ زر سے جیسا کہ غیر مسلم مورخین لکھتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ نہایت طویل ہے یہ کئی ایسے لرزہ خیز اور جرأت آزما واقعات پر مشتمل ہے جو ہمارے لئے مشعلِ راہ بن سکتے ہیں۔ اس داستان کی مفصل تدوین ایک اہم ترین تقاضا ہے لیکن ان سطور میں ان کا احاطہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس وقت ہمارے پیش نظر میاں اخلاق احمد صاحب کی زیرِ نظر کتاب کا مقدمہ ہے۔ لہٰذا ہماری تمام تر توجہ حضرت سید اسحاق گازرونی رح اور حضرت سید صوف رح سے پیشتر لاہور میں اشاعت اسلام کی کوششوں تک محدود رہے گی۔ البتہ لاہور سے قبل برصغیر میں

ہونے والی اشاعتِ اسلام کو پس منظر کے طور پر اختصاراً پیش کر دیا گیا ہے۔

عرب تاجروں کے ذریعے عرب اور برصغیر پاک و ہند میں قدیمی تعلقات چلے آ رہے تھے۔ جس وقت خطۂ عرب میں ظہورِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم سے نورِ ایمان کی ضیا پاشی ہوئی۔ اس وقت برصغیر بدھ اور جین مذاہب کے ماننے والوں کی سرزمین تھی۔ کفر و الحاد کی تاریکیوں نے یہاں کے انسانی ذہن کو ماؤف کر رکھا تھا اور خود ساختہ خداؤں اور آثار نے انسانی فکر و شعور کو اس طرح مسدود کر رکھا تھا کہ وہ مظاہرِ قدرت، ضاعتِ فطرت کے طلسمات میں کھو کر حقیقت کا راستہ گم کر چکا تھا۔ ذات پات کی تمیز نے یہاں کے باشندوں کے دل سے احساسِ انسانیت اور احترامِ آدمیت کو مفقود کر دیا تھا۔ رسم و رواج کے بندھن، ذات پات کی قدغن اور پنڈتوں کے فریب نے انسانیت کو بے بس اور بے دم بنا کر رکھا تھا۔ عین اس وقت جبکہ سرزمینِ عرب میں ظہورِ اسلام ہوا، برصغیر میں بدھ مذہب رو بہ زوال ہوا۔ چنانچہ عرب میں ظہورِ اسلام کے ساتھ ہی اس کی روشنی سے برصغیر بھی روشن ہونے لگا۔ جس کا سبب عرب کے وہ نیک دل تاجر تھے جو تجارت کی غرض سے یہاں آتے جاتے تھے۔

برصغیر میں اسلام کی اشاعت کا سب سے پہلا مرکز جنوبی ہند میں مالابار ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہاں پر بدھ، برہمنی، عیسائی، یہودی اور مجوسی مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ اس زمانے میں حجاز، یمن اور مسقط سے تاجر مالابار میں بغرضِ تجارت آتے جاتے تھے۔ عرب تاجروں کی اس آمد و رفت کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم مالابار کے لوگوں کو ہو گیا تھا۔ معجزۂ شق القمر کا ظہور مالابار کے راجہ اور دوسرے لوگوں نے مالابار میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ راجہ نے اس واقعہ کو روزنامچے کے سرکاری رجسٹر میں درج کرنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں راجہ نے عرب تاجروں کے ذریعہ معجزۂ شق القمر کی تصدیق کی تو وہ صدق دل سے مسلمان ہو گیا اپنی حکومت اپنے ولی عہد کے سپرد کی اور خود چپکے عرب روانہ ہو گیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف یاب ہو کر واپسی پر راستے میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

یہ ایک نمایاں واقعہ جو تاریخ میں درج ہے مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس پہلے اسلامی مرکز میں خواص و عوام کا قبولِ اسلام خالصتاً عرب تاجروں اور مبلغوں کی سیرت و کردار کا عملی اظہار تھا اور اس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ جنوبی ہند اسلامی تہذیب کا ایک نہایت اہم مرکز بنا۔ اس

علاقے میں مالک بن دینارؒ اور مالک بن حبیبؒ کے ہاتھوں برصغیر میں اسلام کی پہلی مسجد شہر کدنکلور (کالیکٹ[1]) میں تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد نہ جانے قیامِ دین کے لئے یہاں کتنی ہی مسجدیں اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔

اسلام کی اشاعت کا دوسرا مرکز سندھ قرار پایا۔ یہ علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو کر اسلامی حکومت کا حصہ بنا اور برصغیر میں اسلامی داخلے کے اعتبار سے یہ "باب الاسلام" کے نام سے مشہور ہوا۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ برصغیر کے شمال، شمال مغربی اور مغربی حصوں میں عرب پہلی صدی ہجری میں پہنچ چکے تھے۔ ۱۵ھ/ ۶۳۶ء میں عربوں کا ایک لشکر سمندر کے راستے تھانہ[2] اور بھڑوچ کے مقامات پر پہنچا۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں مہلب بن مغیرہؒ کی فوجوں نے کابل اور ملتان کے درمیان بعض علاقوں کو فتح کیا۔ ۹۳ھ/۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ کے ہاتھوں سندھ فتح ہوا تو اس ملک کے اس حصے میں پہلی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حکومت اڑھائی تین سو سال تک قائم رہی۔ اس عرصہ میں خلفائے وقت اور سندھ میں ان کے نمائندہ گورنروں نے مقامی راجاؤں اور حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال کئے۔ جس کے نتیجہ میں اکثر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح اس عرصے میں یہاں پر علماء، صوفیاءؒ اور اکابرین کی سعی و کوشش سے اسلام کی اشاعت عام ہوئی۔ کئی اسلامی شہر آباد اور کئی اسلامی مراکز قائم ہوگئے۔ جن میں منصورہ، اُوچ اور ملتان خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مجموعی طور پر اس عرصہ میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں علماء اور مبلّغین کی کوششیں مسلّم ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں مرکزی حکومت کی ابتری کے نتیجہ میں سندھ میں مسلمانوں کی حکومت متاثر ہوئی اور اشاعتِ اسلام کا یہ سلسلہ ملتان اور اس کے نواح تک پہنچ کر رک گیا۔

برصغیر کے شمالی اور وسطی حصے چوتھی صدی ہجری کے آخر تک نورِ اسلام سے محروم رہے اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم شمالی جانب سے غزنی کے حکمران امیر سبکتگین نے فتح پشاور کے ساتھ اٹھایا جو پنجاب کے پال خاندان کے ہندو راجہ کی حکومت میں تھا۔ سبکتگین کے بیٹے محمود غزنوی نے اس کام کو آگے بڑھایا اور اس نے ہندوستان پر مسلسل سترہ(۱۷) حملے کئے۔ ۳۹۶ھ/۱۰۰۵ء

---

[1] یہ شہر "کدنگانور" کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔

[2] یہ مقام (Thana) علاقہ بمبئی میں بیان کرتے ہیں۔

میں لاہور فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا۔ لاہور میں اس کے نمائندوں کے قیام سے یہاں پر اشاعت اسلام کی راہ سہل ہوگئی۔ صوفیاء عظام، اولیاء کرام اور علماء ذلیشان کی آمد کا تانتا بندھ گیا۔ وہ تبلیغی مشن سے یہاں پر آئے۔ مگر اکثر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی حیات میں ان کے

دم قدم سے لاہور کا کفرستان نورستان میں تبدیل ہوگیا۔ ان کی شیریں گفتاری، ان کا زہد و تقویٰ اور ان کی سیرت و کردار اور روحانی فیوض و برکات نے قبول اسلام کے سلسلہ میں جادو اثر کام کیا۔ آج ان کے مراقد مرجع خلائق عام اور باعث درس و عبرت ہیں۔

لاہور (شمالی پنجاب) اگرچہ اشاعت اسلام کے سلسلے کا تیسرا مرکز ہے۔ مگر اسے اوّلین دو مراکز سے اسلئے فوقیت حاصل ہے کہ یہاں پر اسلام کی اشاعت کا بھر پور سلسلہ شروع ہوا تو وہ پھر پورے ہندوستان تک پھیل گیا۔ لاہور محمود غزنوی کے حملے سے قبل ایک گمنام شہر تھا مگر اشاعت اسلام کے سلسلے میں قیام پذیر ہونے والے کابزرگین اور نیک بزرگوں کی بدولت یہ شہر چار دانگ عالم میں مشہور ہوگیا اور آج تک ہے

حضرت شیخ اسماعیل محدث و مفسر لاہوریؒ

لاہور میں اشاعت اسلام کب شروع ہوئی اور یہاں پر اس سلسلے کا اوّلین مبلغ کون تھا؟ مؤرخین میں اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا تھا تاہم اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ شاہ اسماعیل محدثؒ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے سرزمین لاہور میں اشاعت اسلام فرمائی۔ مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں تحفۃ الواصلین کے حوالے سے آپ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" اوّل کسے از واعظان اسلام در لاہور تشریف آورد و خلق را بہ نور اسلام روشن کرد او بود۔ . . . . و از کتب معتبرین و اقوال صحیح ثابت گشتہ کہ شخصے اول در لاہور درس کلام مجید خواند شیخ اسماعیل بود۔" (ص ۲۳۰ جلد دوم)

اس کے علاوہ تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے "از علمائے محدثین و مفسرین بود اوّل کسے است کہ علم تفسیر و حدیث بہ لاہور آورد وہ ہزارہا مردم در مجلس وعظ وے مشرف بہ اسلام شدند۔ در سال چہار صد و چہل و ہشت ہجری (۴۴۸) در لاہور در گذشت"

حضرت شیخ شاہ اسمٰعیلؒ لاہور میں کب وارد ہوئے اس بارے میں بھی مورخین مختلف الرائے ہیں بعض کے نزدیک آپ سلطان محمود غزنوی کے فتح لاہور سے قبل لاہور میں بسلسلہ درس واشاعتِ اسلام رہائش پذیر تھے۔ لیکن اکثر مورخین کا خیال یہ ہے جو بظاہر درست بھی ہے۔ کہ آپ سلطان محمود کے ہاتھوں فتح لاہور (۳۹۲ھ/۱۰۰۵ء) کے بعد یہاں پر تشریف لائے بعض کے نزدیک آپ لاہور کے اس حملے کے وقت سلطان محمود کے ہمراہ تھے۔ بہر حال حقیقت جو بھی ہو۔ یہ مسلّم ہے کہ آپ لاہور میں اسلام کے پہلے مبلّغ ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا لاہور میں قیام کہاں تھا؟ اور آپ کس مسجد میں درس و وعظ فرمایا کرتے تھے۔ تاریخوں سے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ذرا اندازہ فرمائیں کہ بخارا کے سادات عظّام میں ایک اجنبی کا اجنبی سرزمین اور مخالفین کے نرغے میں ایسے لوگوں میں وعظ فرمانا جو ہم زبان بھی نہ تھے کتنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ آپ نے یہ کام نہایت حوصلہ مندی اور کامیابی سے کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ آپ ایک زبردست واعظ اور پُرتاثیر متکلّم تھے۔ آپ کی زبان میں وہ تاثیر تھی کہ لوگ پروانوں کی طرح کھنچے چلے آتے تھے۔ آپ کی مجلسِ وعظ میں سامعین کا ہجوم کثرت سے ہوتا تھا۔ اور ہر روز صدہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور جو شخص ایک دفعہ آپ کے وعظ میں آتا تھا وہ بغیر کلمۂ توحید پڑھے اور اسلام پر ایمان لائے واپس نہ جاتا تھا۔ رائے بہادر کنہیالال تاریخ لاہور ص ۲۰۸ میں بیان کرتے ہیں کہ آپ کے وعظوں کی تاثیر سے ہزارہا لوگ جامۂ اسلام پہنتے تھے۔ آپ حدیث و قرآن کے حافظ تھے اور آواز ایسی اچھی تھی کہ جس کے کان میں پڑ جاتی کھنچا چلا آتا تھا۔ تحقیقاتِ چشتی کے مطابق آپ ہر جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے اور ہر وعظ میں دو اڑھائی سو غیر مسلم مسلمان ہوا کرتے تھے۔ لاہور میں آپ کے اس درس و وعظ کا سلسلہ چھتیس ۳۶ سال تک جاری رہا۔ (ص ۱۷۹)

تحقیقاتِ چشتی کے اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اس عرصہ میں کتنے لوگوں کو نورِ اسلام سے سرفراز فرمایا ہو گا۔ لاہور میں اسلام کا یہ پہلا مبلّغ بالآخر ۴۴۸ھ میں واصل حق ہو کر یہیں پیوند خاک ہوا۔ آپ کی ملاقاتیں اپنے معاصرین

حضرت سید شاہ حسین زنجانی رح اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری سے ہوئی ہو گی مگر کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت شیخ حسین زنجانی رح

آپ دوسرے بزرگ ہیں جنھوں نے لاہور میں آ کر اسلام پھیلانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ آپ ایران کے مشہور شہر زنجان سے یہاں تشریف لائے۔ آپ نے زنجان میں دینی تعلیم حاصل کی اور وہیں حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن الختلی رح جو حضرت علی ہجویری کے پیر و مرشد تھے کے دست حق پر بیعت کے بعد روحانی فیض بھی حاصل کیا۔ حضرت ابوالفضل بن حسن الختلی رح نے آپ کے والد ماجد کو فرمایا کہ انشاءاللہ یہ سلیم الفطرت اور حق پرست نوجوان اسلام کی اشاعت و تبلیغ کر کے دین و دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کرے گا۔

حضرت شیخ حسین زنجانی رح اپنے مرشد ہی کے حکم سے تبلیغ اسلام کرتے ہوئے افغانستان کے راستے لاہور پہنچے اور اس شہر کے مشرقی علاقے میں آبادی سے تقریباً ایک کوس دور پرسکون فضا اور ساحل راوی کو پسند فرمایا۔ اب یہ علاقہ آپ کی نسبت کی وجہ سے چاہ میراں کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کی تشریف آوری کے زمانے میں ہندو دھرم کے پیروکاروں کی کثرت تھی۔ لاہور کفر و جہالت کی لپیٹ میں تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے یہاں کی مروجہ زبان سیکھی۔ آپ ہر روز شہر کے گلی کوچوں میں جاتے اور جب موقع ملتا لوگوں کو اکٹھا کر کے اسلام کی دعوت دیتے۔ بت پرستوں اور خاص طور پر ان کے اکابرین نے آپ کے اس وعظ و نصیحت کو اپنے مذہب کے لئے خطرناک سمجھا۔ چنانچہ وہ آپ کے خلاف اوچھے ہتھکنڈے کرنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پیچھے بازاری لونڈے لگا دیتے جو آپ پر آوازے کستے۔ مسلسل تین سال ایسی اذیتیں اور صعوبتیں سہنے کے باوجود آپ اپنے مشن میں آگے بڑھتے رہے۔ آپ کے روحانی فیوض اور کرامات کا ہی اکثر تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں کا پانی سے شفایاب ہونا اور بہت سی پرانی بیماریوں کا دعا سے ملنا اکثر بیان کیا جاتا ہے۔ سلطان محمود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تو وہ اس کے حل کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ چنانچہ کانگڑہ

کے حملے میں سلطان محمود کی فتح آپ ہی کی دعا کا نتیجہ بتائی جاتی ہے۔ بعض تاریخوں میں
آتا ہے کہ سبکتگین کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد لاہور پر ایک ہندو راجہ نے حملہ کیا اور
شہر کے صرف ایک علاقے میں دو ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ ظاہر یہ وہی مسلمان ہیں جو حضرت
شاہ اسمٰعیلؒ بخاری، حضرت شیخ حسین زنجانیؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ حضرت شیخ حسین
زنجانیؒ قریباً ۳۶-۳۷ سال لاہور میں مقیم رہے اور طویل عرصے میں علم و عرفان کے جو دریا
بہائے اور توحید کی اشاعت کے لئے جو مساعی کی اس کے نتیجے میں تیرہ دل غیر مسلم ان کے
حکم توحید کے نیچے آئے اور ہزارہا تشنگان حقیقت جام توحید سے سرشار ہوئے۔ آپ
کا مزار چاہ میراں میں ہے۔ میر عبدالعزیز عزیز زنجانیؒ اپنے قصیدہ "در صفت لاہور" میں
رقمطراز ہیں ؎

بہ درگاہِ شہنشاہ حسین زنجانؒ رو
کہ اسرار الٰہی در مزارِ او عیاں بینی

مزار کے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے۔ ممکن ہے یہاں قدیم مسجد ہو جس میں
آپ کا سلسلہ وعظ جاری رہتا ہو۔

حضرت سید یعقوب زنجانیؒ

آپ بھی اس سلسلے کے ایک اہم بزرگ ہیں۔ البتہ لاہور
میں آپ کی آمد کے بارے میں مورخین میں اختلاف
پایا جاتا ہے۔ تاہم یہ بات مسلّم ہے کہ یہ بزرگ سلطان محمود غزنوی یا اس کے بیٹے مسعود
غزنوی کے عہد میں لاہور تشریف لائے اور اپنی تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ

آپ نے لاہور میں اشاعت
اسلام کو مزید آگے بڑھایا۔
آپ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کے پیر بھائی تھے اور مرشد کے حکم سے تبلیغ اسلام کے سلسلے
میں لاہور تشریف لائے جس دن آپ لاہور داخل ہوئے اسی دن حضرت شاہ حسین زنجانیؒ
کا جنازہ تیار تھا۔ آپ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے۔

لاہور میں ہندوؤں کا زور تھا اور یہاں پر اشاعت اسلام کا کام اب بھی خاصا مشکل
تھا۔ انہی حالات کے پیش نظر آپ کو شکایت ہوئی کہ میں اس وقت ناجنسوں میں گھرا ہوا ہوں
آپ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ کشف المحجوب آپ کا زندہ کارنامہ ہے اس کے علاوہ بھی

کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ تبلیغِ اسلام کے لئے آپ نے یہاں دریائے راوی کے کنارے موجودہ مسجد بنائی۔ پھر اس میں علم و روحانیت کے چشمے جاری کئے۔ اشاعت اسلام میں علمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے کشف و کرامات سے بھی کام لیا۔ آپ کے درس وعظ و نصیحت سے بہت سے غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے ہاتھوں مسلمان ہونے والوں میں رائے راجو کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو سلطان مودود ابن سلطان مسعود غزنوی کی طرف سے لاہور کا حاکم تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد آپ نے اسے شیخ ہندی کا خطاب دیا۔ پھر وہ اس نام سے مشہور ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد یہی شیخ ہندی آپ کی مسند رشد و ہدایت کا وارث ہوا اور اس کا خاندان سجادہ نشین قرار پایا۔ پھر زندگی بھر حضرت علی ہجویری رحؒ کے مشن اشاعتِ اسلام میں گذار دی۔ بے شمار لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور یہ سلسلہ لاہور میں ان کے خاندان میں کئی برسوں تک قائم رہا۔

بقول شہزادہ دارا شکوہ حضرت علی مخدوم ہجویری رحؒ کی کوششوں سے لاہور کے ہر محلہ میں حافظانِ قرآن موجود تھے۔ حضرت مخدوم ہجویری رحؒ کے معاصرین کے اسمائے گرامی اگرچہ تاریخ کے اوراق محفوظ نہیں کر سکے تاہم ایک اندازہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت لاہور علمی اور روحانی طور پر بیدار ہو چکا تھا۔ اور حضرت مخدوم ہجویری رحؒ کی کشف المحجوب منظرِ عام پر آ چکی تھی جن کا مقصد تصوف کے قوانین اور عمل کو منضبط کرنا اور اسے اہلِ سنت والجماعت کے اعتقادات سے مطابقت پیدا کرنا تھا۔ حضرت دا[illegible] کے بعد غوریوں کے زمانہ میں حضرت سید عزیز الدین المعروف پیر مکی رحؒ اور سید [illegible] ترمذی رحؒ نے لاہور میں علم کی مشعلوں کو روشن کیا۔ لاہور کی علمی اور روحانی زندگی میں اضافہ ہوا۔ بلکہ عوام الناس میں قرآن و حدیث کی منیاؤں کو پہنچانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اور سرزمین پنجاب کو زندہ رکھا۔

حضرت سید احمد توختہ ترمذیؒ

آپ اس سلسلے کے ایک اور بزرگ ہیں۔ آپ شہاب الدین غوری کے زمانے میں ۵۶۰ھ میں ترکستان کے شہر ترمذ سے لاہور تشریف لائے۔ اور یہاں پر سلسلۂ تبلیغ و اشاعتِ اسلام جاری کیا۔ آپ نے اشاعتِ اسلام میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ محلہ چہل بی بیاں میں آپ کا یہ مشن ۶۰۲ھ تک جاری رہا۔

حضرت سید عزیز الدین المعروف پیر مکیؒ

آپ کی خدمات بھی نہایت قابلِ قدر ہیں۔ آپ نے لاہور میں ۳۶ سال تک درس علوم اسلامیہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے وعظ سے ہزارہا لوگ مستفیض ہوئے نیز اشاعتِ اسلام کی خدمات میں ۶۱۲ ھ میں واصل حق ہوئے اور آج آپ کا مزار رجوع خلائق عام رہتا ہے۔

حضرت پیر بلخیؒ

چنگیز خاں کے تصرف بلخ کے بعد آپ ۵۹۰ ھ میں لاہور تشریف لائے۔ آپ کی درویش منشی سے بہت لوگ آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ کی ریاضت کی بنا پر اکثر لوگ آپ کے ارادت مند ہو گئے یہیں پر آپ ۶۴۳ ھ میں راہِ حق میں جامِ شہادت نوش فرما گئے۔

اس سلسلے کے اگلے بزرگ حضرت سید اسحاق گازرونی المعروف میراں بادشاہؒ ہیں، آپ تغلق عہد کے اوّلین بزرگ ہیں۔ آپ نے اشاعتِ اسلام اور قیامِ دین کے لئے جو خدمات انجام دیں وہ اس کتاب کا موضوع ہیں۔ ان کے معاصر حضرت سید صوفؒ اس کتاب کا دوسرا موضوع ہیں۔ قارئینِ کرام ان کی خدمات کا اندازہ اِس کتاب کے مطالعہ سے کر سکتے ہیں۔

بزرگانِ دین، صوفیاء کرام اور اولیائے عظام کی برصغیر میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں خدمات نہایت قابلِ قدر ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی جملہ مساعی کو یکجا کر کے کتابی صورت میں مرتب نہیں کیا گیا۔ البتہ ان حضرات پر فرداً فرداً کچھ کام ہوئے اور بعض تذکروں میں بھی انکے حالات کو یکجا کیا گیا ہے۔ لیکن ایسی کوششوں میں اولاً تو ان بزرگوں کی اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں کی جانے والی خدمات کو یا تو نظر انداز کر دیا گیا ہے یا پھر دوسرے واقعات میں ضمناً درج کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسی کتب کی تدوین میں معروضی انداز کی بجائے Subjective انداز میں نہیں کیا گیا ہے جس میں جذبات کو بڑا دخل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کے مورخین یا تذکرہ نگاروں نے ایسی بزرگ ہستیوں کے ذکر میں محیر العقول، یا فوق الفطرت واقعات اور عجیب و غریب کرامات بیان بڑے مزے لے کر کیا ہے۔ لیکن بحیثیت ان کی سیرت و کردار اور روحانیت کما حقہٗ اجاگر نہیں کیا جو درحقیقت یہاں پر اشاعتِ اسلام کا باعث بنی۔ انکی شخصیت

کے یہی پہلو یہاں کے انسانوں کے جالب نظر بنے جس کے نتیجے میں تاریک ذہن روشن اور پتھر دل نرم ہو کر قبولِ اسلام پر راغب ہوئے اور نتیجہ میں کفر و الحاد کی یہ سرزمین بڑی سرعت کے ساتھ آفتابِ اسلام سے روشن ہو گئی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ایسے بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی ان مساعی کو یکجا کر کے سائنسی انداز میں پیش کریں تا کہ غیر مسلم مورخوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ برصغیر میں اسلام شمشیر اور پیسے کے زور سے نہیں پھیلا تھا بلکہ ان بزرگوں کی تبلیغ و اشاعت اور سیرت و کردار کے عملی اظہار کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ اس میں ایک فرد کو نہیں حکومت کو بھی توجہ دینا ضروری ہے۔

چنانچہ میاں اخلاق احمد صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ اس سلسلے میں سرگرم عمل ہیں۔ اُن کی توانائی کی عمر پاکستان ریلویز کی ملازمت کے غیر علمی ماحول کی نذر ہو گئی۔ اب ریٹائرمنٹ کے بعد اُن کے سستانے کا زمانہ تھا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اُن کے جذبات جوان، جذبِ کامل اور خلوصِ دل کے نتیجے میں وہ گذشتہ چند سالوں میں تذکرہ حضرت ایشاں، تذکرہ حضرت امام سیدنا علی الحق (سیالکوٹی)، تذکرہ حضرت شاہ بلاول قادری رح، تذکرہ حضرت مولانا محمد عبداللہ لدوی رح (میر پور آزاد کشمیر) اور دیگر بزرگانِ دین پر اپنے تذکرات کتابی صورت میں قارئین کی صورت میں نذر کر چکے ہیں۔ جو بفضلِ خداوندی قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

یہ ایسے بزرگانِ دین ہیں جن کے حالات ریت کے ذروں کی طرح مختلف کتابوں میں بکھرے پڑے تھے ۔ میاں صاحب نے پا پیادہ اور ذاتی مصارف پر اُس منبع سے اکتساب فیض کیا۔ جو قلمی یا کتابی ، نجی یا قومی ادارے میں کہیں بھی محفوظ تھا۔

ہماری دعا ہے کہ میاں صاحب کا قلم اور زیادہ رواں ہو اور اللہ تعالےٰ انہیں اس سلسلے کو جاری رکھنے کی مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے ۔ آمین!

زیرِ نظر کتاب حضرت سید اسحاق گازرونی رح اور اُن کے معاصر حضرت سید صوف رح کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے ان دونوں بزرگ ہستیوں کا واسطہ تعلق خاندان سے ہے۔ بقول میاں صاحب صوفیائے کرام اور شیوخ عظام بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ پہلی طرح کے بزرگ وہ ہیں جنہوں نے روحانیت اور علمیت سے اشاعتِ اسلام کی اور جہاد بالنفس

کیا۔ دوسری قسم ان بزرگوں کی ہے جنہوں نے جہاد بالسیف سے اشاعتِ اسلام کی۔ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ پہلی قسم کے صوفیا میں سے ہیں اور حضرت سید صوفؒ دوسری قسم سے۔ جنہوں نے حق کی خاطر جہاد بالسیف سے دریغ نہ کیا۔

حضرت سید اسحاق گازرونیؒ بہت بڑے ولی تھے۔ آپ کے کمالات اور اعمالِ ظاہری نے لاہور میں اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔ حضرت سید صوفؒ یکتائے روزگار اور عارفِ کامل تھے۔ ریاضت، مجاہدہ، زہد و تقویٰ میں ان کا بڑا مقام ہے۔ ان کی سیرت و کردار میں بڑی کشش اور جاذبیت تھی جو غیر مسلموں کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ نتیجہ قبولِ اسلام ہوا۔

میاں صاحب نے اس کتاب کی ترتیب میں لاہور کی وجہ تسمیہ اور مختلف تاریخی ادوار و اس کی حیثیت کے بیان سے ابتدا کی ہے۔ اگرچہ یہ وہی باتیں ہیں جو اکثر مورخین نے لکھی ہیں۔ لیکن میاں صاحب نے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ان بیانات کو یکجا کر دیا ہے۔ جہاں تک حضرت سید اسحاق گازرونیؒ اور حضرت سید صوفؒ کے حالات اور ان کے اشاعتِ اسلام میں خدمات کا تعلق ہے اس سلسلے کی ترتیب میں میاں صاحب نے متعدد ماخذات سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان بزرگوں کی اشاعتِ اسلام کا پہلو پھر بھی تشنۂ تکمیل رہ گیا ہے۔ اس میں کسی حد تک میاں صاحب کی مجبوری ہے کہ اس پہلو پر کتابوں میں بہت کم حالات ہیں۔ اس سلسلے میں روایات کہیں زیادہ ہیں جو حقیقتِ حال سے کہیں دور لے جا سکتی ہیں۔ بہر حال یہ ایک فرد کی کامیاب اور قابلِ تحسین کوشش ہے۔ ہماری دعا ہے کہ میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ طویل عمر، کثیر وسائل اور جوان ہمت عطا فرمائے۔ تاکہ بزرگانِ دین کی اشاعتی و تبلیغی خدمات کی جو گاڑی انہوں نے رواں کی ہے وہ منزلِ مقصود تک پہنچے اور ان کاوشیں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہو۔

وما توفیقی الا باللہ

احقر العباد

انجم رحمانی

اسسٹنٹ ڈائریکٹر لاہور عجائب گھر لاہور۔

حصّہ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(مولانا روم)

تاج الاولیاء حضرت سیّد اسحاق گازرونی لاہوری

المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ قدس سرہٗ

لاہور۔ تاریخ کے آئینہ میں شہر لاہور جس قدر بھی قدیم ہونے کا دعوٰی کرے بجا ہے اس کے ابتدائی حالات پردۂ اخفا میں ہیں اور اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پہلے پہل اس شہر کو کس نے آباد کیا تھا۔ اس میں کون لوگ آباد تھے اور ان کا ذریعہ معاش کیا تھا۔ جہاں تک لاہور کی وجہ تسمیہ کا تعلق ہے اس بارے میں مؤرخین کا اختلاف رائے ہے۔ بعض نے اسے "لہاور"، بعض "لہانور" اور بعض "لاپور" اور کہیں "لاہور" لکھا ہے۔ ایک قدیم روایت کے مطابق اس شہر کو راجہ رام چندر جی کے دو بیٹوں "لوہ" اور "قصو" نے اپنے نام کی نسبت سے علی الترتیب لاہور اور قصور کے شہر آباد کئے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق راجہ رام چند کے بیٹے "لو" نے اس کو آباد کیا تھا۔ اور یہ "لوپور" کے نام سے مشہور ہوا۔ پھر "لوپور" سے مرورِ ایّام کے ساتھ لاہور کے نام سے زبان زدِ عام ہو گیا۔ امیر خسرو دہلوی اس شہر کو اپنی کتاب قرآن السعدین میں اسے ایک بیان کے سلسلے میں لاہور ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

از حدِ سامانہ تا لاہور ہیچ عمارت نہ مگر در قصور

لے اصل نام سیّد اسحاق ہے مگر میراں بادشاہ کے لقب سے آپ مشہور زمانہ ہوئے۔ اصل وطن گازرون تھا۔ تحقیقات چشتی ص (۱۰۰۲) میں آپ کا اسم گرامی سیّد محمد اسحاق میراں بادشاہ بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔ لے دیکھیں حالات ص ۱۰۱

گویا امیر خسروؒ کے زمانے آٹھویں صدی ہجری کے ابتداء میں شہر لاہور کے نام سے لکھنے پڑھنے میں مستعمل تھا۔ اس قدیم شہر کا اوّلین ذکر پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر کی تحقیق کے مطابق ۳۷۲ھ/۹۸۲ء کی ایک تالیف "حدود العالم"[1] میں ملتا ہے جو اب ایران سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں درج ہے کہ لاہور ملتان کے تابع تھا۔ اس میں بازار اور بت خانے تھے۔ جہاں ہندو بے شمار آباد تھے اور کوئی مسلمان آباد نہیں تھا۔

"لھور شہر یست با ناحیت بسیار و سلطانش از دست امیر ملتانست و اندرو بازارہا و بت خانہ ہاست و اندرو درخت چلغوزہ و بادام و جوز ہندی بسیار است ہمہ بت پرستند و اندروی ہیچ مسلمان نیست"

گویا اس بیان سے پہلے کسی مؤرخ یا جغرافیہ دان یا سیّاح نے اس شہر کا لاہور کے نام سے ذکر نہیں کیا اور یہ ۳۹۵ھ/۱۰۰۵ء سے پہلے یہ شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ مگر ابھی تک اس بات کا انکشاف نہیں ہو سکا کہ لاہور کے کسی حصّہ میں چلغوزہ یا بادام اور جوز ہندی کے درخت تھے اور کس خطّہ زمین میں ان میوہ جات کے درختوں نے نشوونما پائی؟ اخروٹ، بادام اور چلغوزہ کے درختوں اور مندروں کی بہتات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ پنجاب کے لاہور کا نہیں شاید سرحد کے لاہور کا ذکر ہو جو ضلع مردان میں "ہنڈ"[2] کے نزدیک واقع بیان کرتے ہیں۔

سجان سنگھ دھیرا (۱۱۰۷ھ/۱۶۹۵ء) جن کا نام ریلو (Rea) اور مسٹر بیورج (MR: BEVERIDGE) اپنے مقالات[3] میں سجان رائے بٹالوی بھی لکھتے ہیں اپنی تصنیف خلاصۃ التواریخ میں بیان کرتے ہیں کہ لاہور کو رام چند کے بیٹے "لو" نے بسایا تھا اور یہ کہ جب برباد ہوا سیالکوٹ (سل کوٹ) پنجاب کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

---

[1] حدود العالم (قلمی) ص ۴۴ - حدود العالم مطبوعہ طہران ۱۳۴۰ھ ص ۶۹ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) مفصل مطالعہ کے لئے تاریخ لاہور کنہیا لال ص ۴۲ اور مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور لاہوری ص ۲۱۲ بھی دیکھیں۔

[2] خان ولی اللہ خان "دی اوریجن آف لاہور" پاکستان ٹائمز لاہور دس سالہ نمبر

[3] خلاصۃ التواریخ ص ۶۴

"لاہور مصریست متقدمین برکنار دریای راوی، آبادی آں را بہ لو خلف راجہ رام چندر نسبت میدہند، در بعض تواریخ لہور ، لہاور نیز می نویسند، چوں از گردش دوار بعد از امتداد ادوار در ارکان آبادی آں انہدام رو داد قلیلی نشان معموری ماند دار الحکومت ایں ولایت شہر سیالکوٹ گردید"

ترجمہ:۔ دریائے راوی کے کنارے لاہور قدیم شہر ہے جسے راجہ رام چندر جی کے بیٹے "لو" نے بسایا تھا۔ بعض تاریخ میں "لہور" اور "لہاور" بھی لکھا ہے۔ مدتوں بعد از انقلاب زمانہ سے اس کی آبادی گھٹ کر قدرے قلیل رہ گئی تب پنجاب کا دارالسلطنت سیالکوٹ قرار پایا۔

حدیقۃ الاقالیم (۱۲۰۲ھ/۱۷۸۷ء) کے مصنف مرتضیٰ حسین تقریباً سجان سنگھ دھیرا کے بیان کی تصدیق کرتے ہیں[1]

بیان کرتے ہیں "لاہور شہر در ہندوستان بر ساحل دریائے راوی مؤلف خلاصۃ التواریخ می نویسد کہ ہندواں آں را بخلف رام چندر کہ لہور نام داشت نسبت میدہند"

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی کئی سال ہندوستان میں مقیم رہا اور محمود غزنوی کے زمانہ میں اس نے ہندوستان کے شہروں کی سیر و سیاحت کی اور ان کا آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے۔ شہر لاہور کے بارے میں وہ اپنی تصنیف "تاریخ الہند" میں درج کرتا ہے کہ لاہور ایک شہر نہیں بلکہ ایک علاقے کا نام ہے جس کا دارالخلافہ مندھوکور ہے یہ شہر لاہور سے ایک الگ شہر ہے۔[2]

مذکورہ بالا بیان کے بارے میں اسے کننگھم[3] نے یہ اخذ کیا کہ مندھوکر محمود پور کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مگر میری نظر میں اسے کننگھم کی یہ تحقیق قرین قیاس نہیں کیونکہ البیرونی جو محمود کا ہم عصر تھا۔ عربی اور فارسی زبان کا فاضل تھا۔ علم ہیئت، ریاضی اور جغرافیہ کا ماہر تھا۔ وہ محمود پور کو مندھوکور لکھنے کچھ عجیب لگتا ہے۔ فرض محال اگر کوئی ایسی صورت بھی ہوتی تو البیرونی جیسے فاضل نے اس کی وضاحت اور اس کا ذکر اپنی تصنیفات میں ضرور کیا ہوتا جو عیاں نہیں۔ [4] نقاد ملتن کا خیال ہے کہ مندھوکور سے مراد "مان کوٹ" ہے جو سیالکوٹ کے نزدیک

---

[1] حدیقۃ الاقالیم پنجاب یونیورسٹی لائبریری (خطی نسخہ برگ ۸) [2] دیکھیں حالات ص ۱۰۲ اور کتاب الہند جلد اول ص ۲۷۶، ۳۷۷ [3] A-cunning ham Ancient geography of India [4] لاہور بزبان انگریزی ص ۱۱۰ - ۱۱۳

ایک قلعہ ہے مگر خان ولی اللہ[1] خان کے خیال میں تھارنٹن کا یہ قول بھی قابل قبول نہیں۔ خان صاحب نے اس امر کی تصدیق کے لیے بذاتِ خود سروے کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ سیالکوٹ کے نزدیک "مان کوٹ" نام کا کوئی مقام ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ تھارنٹن نے محض قیاس کی بنا پر یہ لکھا ہے۔

البیرونی نے اس قلعہ کا طول بلد اور عرض بلد دیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ موجودہ لاہور کے قریب جانب شمال واقع ہے۔ مگر اس مقام کی نشاندہی ابھی تک نہیں ہو سکی سلطان محمود نے لاہور کو ۴۱۳ھ میں اپنے قبضہ میں لیا تھا۔ قدیم ہندو شہر لاہور تباہ و برباد ہوا۔ اور پھر سے اسے از سرِ نو آباد کیا گیا۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی تصنیف "قلعۂ لاہور" کی مختصر تاریخ میں بیان کرتے ہیں "سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۳ھ میں فتح لاہور کے بعد از سرِ نو شہر لاہور کو آباد کیا اور یہیں سے اس نے ایک سکہ بھی فتح کے فوراً بعد جاری کیا جس کے ایک طرف سنسکرت عبارت تھی اور دوسری طرف عربی عبارت تھی اور اس نے اس شہر کا نام محمود پور رکھا تھا"۔ گویا کہ محمود غزنوی کا لاہور قدیم ہندو شہر لاہور سے مختلف تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے سونے کے سکے امریکہ اور لاہور میں بھی دیکھے گئے ہیں۔ جن پر لاہور کی بجائے محمود پور نام مع سن ۴۱۹ھ درج ہے

لاہور کے نزدیک آج بھی ایک بستی آباد ہے جو "محمود بوٹی" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بستی شالامار باغ کے جنوب مشرق کی طرف تقریباً دو تین میل کے فاصلے پر اونچی جگہ پر آباد ہے۔ ممکن ہے کہ سلطان محمود غزنوی کا یہی محمود پور ہو مگر یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔ اس کے علاوہ کسی مؤرخ، جغرافیہ دان یا سیاح نے اس بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ بلکہ بالکل خاموش ہیں۔ کسی زمانے میں اسی علاقہ کو محمود بوٹی کی بجائے "محمود بھٹی" یا علاقہ محمود شاہ بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس علاقہ میں ایک بزرگ حضرت محمود شاہ رح مدفون ہیں۔

بلاذری[2] نے صوبہ سرحد پر مہلب بن ابی صفرہ کی مہم کا ذکر کرتے ہوئے "الاہوار" کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہے۔ یاقوت[3] الرومی المتوفی ۱۲۲۹ء نے

---

[1] ولی اللہ "ذی اورجن آف لاہور" پاکستان ٹائمز لاہور دس سالہ نمبر ۷ ص ۶ [2] البلاذری (المتوفی ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء) بحوالہ ہسٹری آف انڈیا۔ ایلیٹ اینڈ ڈاوسن (لندن) ۱۸۶۷ء جلد اول ص ۱۱۶ [3] یاقوت معجم البلدان بحوالہ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ص ۲۲۵

مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کی "معجم البلدان" اور "معجم الادباء" اس کی بہت مشہور تصنیفات ہیں "معجم البلدان" میں بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے شہروں میں لاہور بہت بڑا شہر ہے۔

گذشتہ صدی میں لاہور کے حالات پر تین مشہور کتابیں لکھی گئی تھیں۔ تحقیقات چشتی مولوی نور احمد چشتی جو ۱۸۶۷ء میں طبع ہوئی۔ تاریخ لاہور جو رائے بہادر کنہیا لال نے ۱۸۸۴ء میں شائع کی اور ہسٹری آف لاہور جو خان بہادر سید محمد لطیف نے انگریزی زبان میں لکھی یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں چھپی۔ مگر مولوی نور احمد چشتی کے معاصرین میں سے ایک بزرگ ہستی مفتی[۱] تاج دین بن مفتی امام الدین بن قاضی نظام الدین بھی تھے۔ جنہوں نے ۱۸۶۷ء میں میجر جان کلارک ڈپٹی کمشنر کے حکم سے ضلع لاہور (قدیم لاہور) کے حالات قلمبند کئے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

"تمام ملک پنجاب[۲] میں صدر اور ابتدائی بنیاد آبادی سے ہنوز دار الحکومت رہا۔ بموجب بیان برہمناں آبادی اس کی ہزارہا بلکہ لاکھوں برس سے ہے۔ وے لوگ بیان کرتے ہیں کہ بنیاد اس کی راجہ "لو" فرزند راجہ رام چندر نے رکھی۔ اصل نام اس کا "لوپور" تھا اہل تواریخ لکھتے ہیں کہ رام چندر تخمیناً بارہ سو برس پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کی ہوا جس کو ہنود نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس کو لاکھوں برس گذرے بہرکیف یہ شہر بہت پرانا اور دار الریاست پنجاب ہے۔" مزید تحریر کرتے ہیں "جو مصائب اس شہر پر قبل از عہد اہل اسلام وارد ہوئے حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتے۔ چنانچہ چند بار بسبب طغیانی دریا راوی غرقاب ہوا اور چند بار ویران ہو کر بیلہ رہا مگر بعد از ویرانی چھتری اس جگہ پر آبادی کرتے رہے۔ علاوہ اس کے حملات سلاطین مغربی سے ہمیشہ تفرقہ رہا۔ جب کبھی ایرانی یا خراسانی ہندوستان پر چڑھائی کرتے رہے پہلے ہی ملک پامال اور تباہ ہوتا رہا۔ والئ لاہور کبھی تابع ایران اور کبھی تابع دہلی رہا۔"

اس کے علاوہ کرنل ٹاڈ[۳] (۱۸۲۹ء) نے لکھا ہے کہ لاہور کی بنیاد رام کے بیٹے "لوہ" نے رکھی تھی۔ اور پرانے زمانے میں لاہور کو "لوہ کوٹ" کہتے تھے۔ میواڑ کے راجے اس لوہ کوٹ کے راجاؤں کی اولاد ہیں جو ۱۴۵ء میں نقل مکانی کرکے دوارکا آئے تھے۔

---

[۱] دیکھیں حواشی ص ۱۰۳ [۲] اقتباس از "لاہور قدیم" بحوالہ اورینٹل کالج میگزین ماہ نومبر ۱۹۳۴ء ص ۲

[۳] ٹاڈ: کرنل اینلز اینڈ اینٹیکوئٹیز آف راجستھان (لندن) ۱۹۱۴ جلد اول ص ۲۷۱ نیز لاہور لطیف ص ۴۰

متذکرہ بالا بیانات کی روشنی میں بلا تردید کہہ سکتے ہیں کہ لاہور ایک قدیم شہر ہے جس کو قدرت نے برّاعظم پاک و ہند کا سرنگ پنجاب کا صدر مقام بنایا ہے اور وادی سندھ کی قدیم تہذیب کے آثار اسی زمین پنجاب کے تہوں تیں مدفون ہیں یہ آریہ نسل کے لوگ تھے جن کی تہذیب اور مذہب و معاشرت کی تشکیل پنجاب اور اس کے صدر مقام میں ہوئی۔ یہ خطہ زمین پر رونق تھا۔ لوگ خوش و خرّم تھے۔ اور اس جگہ کے رہنے والے معدنیات کے بہترین کاری گر تھے: تانبہ اور کانسی کو بڑی چابک دستی اور مہارت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

۲- گزر رڑہ

مغلیہ دور میں لاہور کو بہت ترقی اور خوشحالی نصیب ہوئی۔ اکبر[1] بادشاہ نے کچے قلعہ کو شاہی قلعہ پختہ اینٹوں سے بنوایا اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر یہ قلعہ خام یعنی کچا تھا اور ہر عہد میں ضرورت کے مطابق عمارات تعمیر ہوتی رہیں جن کے نشانات تو ملتے ہیں مگر مکانات قائم نہیں ہیں اور ہم تصوّر اور قیاس ہی کر سکتے ہیں کہ ان مقامات میں شاہی خاندان آباد تھے اور ان کی جائے پناہ تھی۔ اس عہد میں شہر لاہور مختلف حلقوں میں تقسیم ہوا ظاہر ہوتا ہے شہر لاہور کی قدیم آبادی جو فصیل کے اندر واقع تھی۔ نو گزروں پر مشتمل تھی، ان ان میں گزر رڑہ (ررہ فی الاصل) قابل ذکر ہے یہ گزر دیگر گزروں سے بہت بڑا تھا۔ دہلی دروازہ سے سنہری محلہ اور رنگ محل کا علاقہ، اندرون اکبری[2] دروازہ کی تمام گلیاں اور کوچے اس میں شامل تھے۔ یہ گزر مرکزی گزر تصوّر کیا جاتا تھا۔ مسجد وزیر خاں بھی اسی گزر کی حدود میں واقع ہے۔ معروف مزار حضرت سیّد صوف لاہوریؒ، حضرت سیّد بلندؒ، حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ اور حضرت پیر بلّھی اسی علاقہ میں واقع ہیں۔ اسکے علاوہ سرائے وزیر خاں، حمام وزیر خاں اور پری محل بھی شامل تھے سرائے وزیر خاں کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

۳ – گزر رڑہ کے بارے مفتی تاج دین بن مفتی امام الدین بن قاضی نظام الدین اپنی تصنیف "لاہور قدیم" میں تحریر کرتے ہیں[3] ایام سلف میں موقع کوتوالی کہ اوسط گزر مذکور ہے ایک گانوں جس کو ردڑہ کہتی تھی۔ جب وہ وسط شہر میں آگیا وہ بستی اسی نام پہ موسوم رہی"۔

---

[1] آئین اکبری، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۷ء ج ا ص ۵۴۰ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) "قلعہ از خشت ساختہ"۔

[2] لاہور میں اکبر بادشاہ نے اپنے نام پہ ایک منڈی تعمیر کروائی جسے آج تک اکبری منڈی کہا جاتا ہے یہ منڈی اندرون دہلی دروازہ میں واقع ہے۔ نیز ایک دروازہ بھی تعمیر کروایا تھا جو اکبری دروازہ کے نام سے معروف ہے۔ پاکستان بننے کے بعد بالکل مسمار کر دیا گیا تھا۔ یہ دروازہ قدیم دروازے کی بنیادوں پہ انگریزوں کے کے عہد میں مرمت اور از سر نو تعمیر ہوا

گزرگڑھ میں حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ کا مزار اور سید موصوف لاہوریؒ کا مزارِ اقدس واقع ہے جو قابلِ ذکر اور موضوعِ تحقیق ہیں۔

۳۔ خانوادہ، اسم والقاب، ولادت و وطن حضرت سیّد اسحاق گازرونی لاہوری قدس سرہٗ

حضرت سیّد اسحاق گازرونیؒ شیخ المشائخ، قطب الاولیاء، خلق و حلم، ورع و مجاہدہ میں کامل و اکمل تھے۔ آپ مستجاب الدعوات، جامع کمالاتِ ظاہری و باطنی، مظہرِ جمالِ صوری و معنوی صاحب خوارق و کرامات تھے۔ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، علم و فضل میں شہرۂ آفاق تھے۔ آپ نے اسلام کی بے انتہا خدمات انجام دیں اور اپنی روحانی اور علمی تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں، اور انہی بزرگانِ دین کے قدومِ میمنت لزوم کے طفیل اس سرزمین میں اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور یہاں کے لوگ کفر و الحاد سے تائب ہو کر سلکِ وحدت میں پروئے گئے اور قعرِ مذلت سے نکال کر ترقی کی منازل تک پہنچا دیا گیا۔

آپ کا اسمِ گرامی سیّد اسحاقؒ ہے مگر فیوض و برکات، کشف و کرامات کے سبب عوام میں حضرت "میراں بادشاہ" کے لقب سے آپ معروف ہیں۔ آپ ساداتِ عظام صحیح النسب گازرون سے ہیں اور حسینی سیّد ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب اور شیخ الشیوخ تسلیم کئے جاتے تھے۔

آپ کا آبائی وطن شہر گازرون تھا۔ گازرون[۱] فارس کے صوبہ میں خلیج فارس کے کنارے کی جانب اور شیراز سے جو صوبہ فارس کا دارالخلافہ ہے، جانب غرب واقع ہے۔ یہ شیراز سے تین دن کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہ فاصلہ ۱۸ فرسخ ہے[۲]۔ یشاری کا قول ہے کہ گازرون کثیر آبادی والا شہر ہے اور ریشم کے کپڑوں، کوٹھیوں، باغات اور نخلستان سے عبارت ہے جو اس کے دائیں سے بائیں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک بہترین تجارتی مرکز ہے اور ایک بلند ٹیلے پر بہت بڑی جامع مسجد ہے جبکہ بازار اور تاجروں کی کوٹھیاں و مکانات نیچے ہیں۔ سلطان عضدالدولہ بن بویہ نے یہاں پر ایک محل تعمیر کروایا تھا جس میں ہر روز سلطان کے لئے دس ہزار

سلہ دیکھیں نقشہ تقسیمات سیاسی ایران ص ۲۲ ؎۲ نقوش لاہور نمبر حاشیہ ص ۱۷۴

درہم جمع ہوتے تھے۔ یہاں اگر لمبی چوڑی نہریں نہیں ہیں بلکہ کنوئیں پائے جاتے ہیں۔ گازرون میں ایک خاص قسم کی کھجور پائی جاتی ہے جو "جیلان" کہلاتی ہے اور تحائف میں بھیجی جاتی ہے الاصطخری کا قول ہے کہ گازرون اور نوبندجان شاہ پور کے سب بڑے شہر ہیں مگر گازرون نوبندجان سے عمارات کی پختگی کوٹھیوں کی کثرت اور مٹی کی خوبی کے لحاظ سے افضل و برتر ہے۔ ہمارے فارس میں آب و ہوا اور زمین کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ پانی کنوؤں سے حاصل ہوتا ہے۔ شہر مضبوط اور وسیع ہے۔ پھل کثرت سے پائے جاتے ہیں اور شاہ پور کے علاقے میں تمام شہروں سے زیادہ زرخیز ہے۔ فسا شہر سے ۸ فرسخ پر واقع ہے۔ یہ شہر پُررونق اور خوشحال ہونے کے علاوہ علم و فضل کا بھی مرکز تھا۔ اس شہر سے اہلِ علم کی ایک بہت بڑی جماعت[1] منسوب کی جاتی ہے۔ مثلاً احمد بن منصور بن احمد بن عبداللہ بن ابراہیم بن جعفر ابوالعباس الگازرونی الشافعی جو ۵۲۹ھ میں بغداد آئے اور وہاں سے علم حاصل کر کے وطن واپس گئے۔ ابو محمد عبداللہ بن علی المغربی نے ۵۰۷ھ میں شیراز میں وفات پائی اور ابوالحسین بن ابی علی الگازرونی الصوفی نے ۴۵۲ھ میں رحلت فرمائی۔

صوبہ فارس جو آجکل استان فارس[2] کہلاتا ہے۔ ایران کے جنوبی منطقہ میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۱۴۴۹۰ کلومیٹر مربع ہے خوزستان اصفہان اور کرمان کے مابین واقع ہے اور جنوب سے خلیج فارس سے جا ملتا ہے۔ اس استان کی آبادی ۱۵۹۱۴۹ انفر ہے، یہاں کا معروف پہاڑ کوہ مادیان ہے جو ۳۲۰۴ میٹر بلند ہے۔ سب سے مشہور دریاچہ "دریاچۂ پریشان" ہے۔ یہ میٹھے پانی کا دریاچہ ہے۔ یہ دریاچہ دریاچہ، بختگان میں جا گرتا ہے۔

"دریاچہ پریشان نامور تنہا دریاچہ آب شیریں ایران است کہ در نزدیکی گازرون واقع شدہ و ماہی فراوانی دارد۔" دریاچہ پریشان شیراز اور گازرون کے درمیان واقع اور گازرون خلیج فارس اور شیراز کے مابین واقع ہے۔

اس پُرآباد شہر کا بے لوث، مخلص اور عظیم مبلغ کب اور کن حالات کی بنا پر صغیر میں

---

[1] یاقوت الحموی: معجم البلدان ص ۲۹۹/۲ ص ۴۳۰/۱ جلد ۴ طبع بیروت ۱۹۵۷ء

[2] فرہنگ دانش و ہنر ص ۸۶۵ چاپ سازمان انتشارات اشرفی چاپ دوم تہران ۱۳۴۶ شمسی

تشریف لائے اور کہاں تعلیم حاصل کی آپ کے اُستاد گرامی کا اسم مبارک کیا تھا۔ آپکی تاریخ ولادت کیا تھی۔ اس بارے سوانح نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ سید محمد لطیف تاریخ لاہور[1] میں بیان کرتے ہیں کہ آپ تغلق بادشاہوں کے زمانہ میں تشریف لائے۔ ان کے علاوہ کسی اور مورخ اور تذکرہ نگار نے نہیں لکھا۔ بہرحال ہمارے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اب تک دستیاب نہیں ہوسکا کہ آپ نے ابتدائے تعلیم سے انتہائے علم تک عالم سے محقق بننے تک اور تحقیق سے تصوف تک کے فاصلے کب اور کیسے طے کئے مگر آپ ایک قدیم، عظیم المرتبت اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔

مفتی غلام سرور لاہوری اپنی مشہور تصنیف خزینۃ الاصفیا جس پر سبھی مؤرخ اور تذکرہ نویس اعتماد کرتے ہیں اور مشہور مستشرق پروفیسر اے۔ جے آربری نے اس کتاب کی تعریف میں یہاں تک لکھتا ہے کہ یہ صوفیائے کرام کا پہلا تذکرہ ہے جو سائنٹیفک طریقہ پر لکھا گیا ہے۔ اس میں تحریر کرتے ہیں "اول در شہر گازرون اقامت داشت بعد ازاں باشارت غیبی در شہر لاہور آمد و مدتے مدید بہدایت خلق معروف ماند" (ترجمہ) "اصل وطن شہر گازرون تھا، پھر اشارہ غیبی سے عازم لاہور ہوئے بہت عرصہ خلقت کی ہدایت میں مصروف رہے۔"[2] اس کے علاوہ ایک تذکرہ نویس لعل بیگ جو اکبر بادشاہ کے فرزند سلطان مراد کا بخشی تھا اور دیوانی امور میں بہت ماہر تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ سے منسلک تھا صوفیاء کرام کا ایک مبسوط تذکرہ "ثمرات القدس من شجرات الانس" کے نام سے لکھا ہے جس کا ایک قلمی نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان (کراچی) میں محفوظ ہے اس میں رقم طراز ہیں۔

"سید اسحاق گازرونی قدس سرہ، وے گازرونی الاصل است از اں جا بہند افتاد و در لاہور طرح اقامت انداخت وے شیخ المشائخ و قطب الاقطاب وقت خویش بودہ و از سادات صحیح النسب گازرونست"[3]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ کا اصل وطن شہر گازرون تھا۔ اللہ کے حکم سے تبلیغی مشن لے کر سرزمین ہندوستان میں داخل ہوئے اور لاہور جیسے اہم مقام

---

[1] ص ۲۱۶ (بزبان انگریزی) [2] ص ۲۹۲ ج دوم [3] ثمرات المقدس ص ۶۲ ق

پر سکونت اختیار کی، اور اپنے علم و فضل کے چشموں سے اس سرزمین کو سیراب کیا اور آپ طویل عرصہ تک علم دینیہ کی اشاعت میں معروف رہے مگر کسی مؤرخ یا تذکرہ نگار نے آج تک آپ کے سن ولادت اور نسب کے بارے میں کوئی نشان دہی نہیں کی۔

۴۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں کا اشتباہ و غیر محقق روایات

روایات:۔ (ا) خزینۃ الاصفیاء میں اخبار الاخیار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سید صفی الدینؒ جو شہر اوچ (ریاست بہاول پور) کے بانی تھے سید اسحاق گازرونیؒ کے ہمشیرزادے اور مرید و خلیفہ تھے۔ خزینۃ الاصفیاء کی اصل عبارت ملاحظہ ہو۔

"در اخبار الاخیار است کہ چوں سید ابو اسحاق گازرونیؒ لاہوری بعد عطاء نعمت و خرقہ خلافت بسید صفی الدینؒ ہمشیرہ زادہ خود را از نزد خود رخصت فرمود۔ حکم داد کہ بر اشترے سوار شود بر جانب آں شہر برود تو نیز برود بہ جائیکہ بنشیند مقام سازد و قیام کن۔ چنانچہ سید صفی الدین ہم چناں بعمل آورد چوں بر زمین متصلہ آبادی سابقہ مقام اوچہ رسیدہ شتر بنشست پس ہماں جا بہ حکم پیر دستگیر خود توطن فرمودہ و آبادانی علیحدہ آباد ساخت۔"

ترجمہ:۔ اخبار الاخیار میں درج ہے کہ جب سید ابو اسحاق گازرونی رح لاہوری نے نعمت و خرقہ خلافت اپنے بھانجے سید صفی الدین گازرونی رح کو عطا فرمانے کے بعد اپنے پاس سے رخصت کیا تو حکم دیا کہ اونٹ پر سوار ہو کر جدھر یہ اونٹ لے جائے اسی طرف چلتے جاؤ۔ اور جہاں جا کر یہ بیٹھ جائے اس مقام پر قیام کرو۔ چنانچہ سید صفی الدین رح آپ کا حکم بجا لائے جب اونٹ اوچ کی پرانی آبادی کے قریب جا کر بیٹھا تو حضرت سید صفی الدین گازرونی رح نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے اسی جگہ پر قیام کیا اور ایک علیحدہ بستی بسائی۔

(ب) حامد بن فضل اللہ جمالی (متوفی ۹۴۲ھ) اپنی تصنیف سیر العارفین میں بیان کرتے ہیں "شیخ نورالدین ملک یار پراں رح ایک بڑے بزرگ تھے۔ ان کی پیدائش لار میں ہوئی

۱؎ دیکھیں حالات اوچ ص ۱۰۳ ۲؎ خزینۃ الاصفیاء ص ۱۱۷ جلد اول

۳؎ اخبار الاخیار ص ۲۵ / ۴۳۵ بعض مخدوم شیخ عبد القادر رح۔

اور وہ حضرت شیخ اعزالدین دانیال خضی کے مرید تھے اور حضرت دانیال خضی حضرت شیخ علی خضرؒ کے مرید تھے۔ اور وہ حضرت شیخ ابو اسحاق گازرونیؒ کے مرید تھے چنانچہ یہ درویش (شیخ جمالی) ان تینوں بزرگوں کی زیارت کے لئے گیا ہے اور ان کے آستانوں کی جبین سائی کی ہے۔ حضرت نورالدین ملک یار پراںؒ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں شہر دہلی میں آئے تھے۔ انہوں نے دریائے جمنا کے کنارے ابا بکر طوسی رحہ حیدری کے تکیے کے نزدیک مکان بنالیا تھا۔

آپ ابو اسحاقیوں کی رسم کے مطابق زرد خرقہ پہنا کرتے تھے اور ان کے لباس پر نزر و نقوش ہوتے تھے ان کے ملک میں ایک قسم کی زرد رنگ کی روئی ہوتی ہے اس سے لباس بناتے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نظام الملت والدین رح ان کی وفات کے بعد دہلی آگئے۔

(ج) مفتی غلام سرور لاہوری ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ؎ ”سید صفی الدین بانی مقام اوچہ وہمشیرہ زادہ سید گازرونی میراں بادشاہ لاہوری کہ اندرون مسجد وزیر خاں مغل آسودہ است۔“

(ترجمہ) ”سید صفی الدین جو اوچ کے بانی اور سید اسحاق گازرونی میراں بادشاہ لاہوری کے بھانجے ہیں۔ سید اسحاق گازرونی مغل وزیروں کی مسجد میں مدفون ہیں۔“

(د) فوائد الفواد میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے جس میں حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ نے سید صفی الدین گازرونی رح کا ذکر کیا ہے اور ان کے متعلق جوگی سے مقابلہ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ”ایک مرتبہ اوچ میں ایک جوگی رح شیخ صفی الدین گازرونی کی خدمت میں آیا اور شیخ سے کہا اگر تم سچے ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ۔ اس پر آپ نے فرمایا، دعویٰ آپ نے کیا ہے۔ آپ ہی دلیل کے طور پر کوئی کرامت پیش کریں۔ اس پر وہ جوگی زمین سے ہوا میں سیدھا اوپر کو اٹھا اور پھر اپنی جگہ پر آ بیٹھا اور کہا کہ تم بھی کوئی مظاہرہ کرامت کرو۔ شیخ نے بارگاہ حق میں التجا کی کہ پروردگار! تو نے بیگانوں کو یہ طاقت عطا کی ہے

؎ سیر العارفین میں شجرہ طریقت غیر صحیح ہے۔ درست اس طرح ہے۔ ملک یار پران۔ مرید شیخ اعزالدین دانیالؒ۔ مرید قطب الدین دانیالؒ۔ مرید شمس الدین محمد ابوالوف دانیالؒ۔ مرید شیخ محمد اسماعیل دانیالؒ۔ مرید شیخ الامین عبدالسلام منجؒ۔ مرید شیخ احمد بادروندیؒ۔ مرید شیخ خضرؒ۔ مرید شیخ رکن الدین دانیالؒ۔ مرید شیخ جمال الدین احمد خطیبؒ۔ مرید خطیب تاج الدینؒ۔ مرید خطیب القاسم عبدالکریمؒ۔ مرید شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار کازرونیؒ (طرائق الحقائق ص ۱۸۳ ج ۲)

؎ خزینۃ الاصفیاء ص ۱۱ جلد اول ؎ ص ۱۱۷ بحوالہ خطہ پاک اوچ مسعود حسن شہاب

مجھے بھی کچھ عنایت فرما۔ اس کے بعد شیخ اپنی جگہ سے قبلہ رخ اڑے پھر مشرق کی جانب پھر شمال کی سمت، پھر جنوب کی طرف، جوگی نے جب یہ منظر دیکھا تو شیخ کی عظمت کا قائل ہو گیا اور کہا کہ میں تو صرف سیدھا اوپر اڑ سکتا تھا اور آپ تو ہر سمت پرواز کر سکتے ہیں۔ واقعی آپ سچے ہیں اور میں جھوٹا ہوں۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب اولیا دہلوی رح نے ۷۲۵ھ میں وفات پائی اور یہ واقعہ ان کی وفات سے قبل کا تھا۔

(ق) علامہ ابوالحسن فرید آبادی اپنی تصنیف "جواہر غیبی" میں اولیائے کرام کے چودہ خانوادوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں خانوادہ گازرونیاں کے متعلق لکھتے ہیں "یازدہم" خانوادہ گازرونیاں می پیوندد بخواجہ ابواسحاق گازرونی رح مرید و خلیفہ خواجہ عبداللہ حنیف رح است و او مرید محمد رویم رح و او مرید خواجہ جنید رح ۔ گازرونیاں درمیان خلائق مشغول باشد و اسماء اعظم و دعاء مائت القدرت بسیار خوانند"

(س) اس کے علاوہ لطائف الاشرفی میں مرقوم ہے گازرونیوں کا سلسلہ حضرت جنید بغدادی رح تک سلطان ابواسحاق گازرونی رح کے واسطہ سے پہنچتا ہے۔ شیخ ابواسحاق رح گازرون کے امیر تھے۔ مگر سلطنت ترک کرکے شیخ عبداللہ حنیف رح کے مرید ہوئے جو خواجہ محمد رویم رح کے مرید تھے اور خواجہ محمد رویم رح حضرت سید الطائفہ رح کے مرید تھے آپ نے ذی قعدہ کے مہینے میں ۴۲۶ھ میں وفات پائی آپ اکابر مشائخ اور قطب الاولیاء تھے۔ لطائف الاشرفی میں مزید لکھا ہے "شیخ ابواسحاق گازرونی رح نے ایک بار حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ توحید کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو خیال تیرے دل میں گزرے اللہ تعالےٰ اس سے خلاف ہے یعنی اللہ کی ذات تک انسانی عقل نہیں پہنچ سکتی، توحید یہ ہے کہ شرک و شک و انکار صفات سے پاک ہو جائے۔"

(ش) مولوی نور احمد چشتی تحقیقات چشتی میں بیان کرتے ہیں "حضرت سید اسحاق گازرونی رح بیعت بخدمت عبدالمغیث گازرونی رح جنیدی کے تھے۔ بعد عطائے خرقہ خلافت حضرت کو حکم روانگی لاہور کا ہوا"۔

۱؎ ص ۱۰۸ ۲؎ ص ۶۱/ حصہ دوم ۳؎ ص ۱۴۲

روایات کی تحقیق

حضرت سید صفی الدین گازرونی رہ سترہ سال کی عمر میں برصغیر میں وارد ہوئے اور علاقہ اوچ جس کا قدیم نام "بھاطیہ" بھی تھا میں رہائش اختیار کی، آپ نے ایک علمی درس گاہ قائم کی جس میں صرف طلبا کی تعداد ۵۰۰ سے زائد تھی۔ اوچ میں آپ کا زمانہ ۳۷۰ھ بیان کیا جاتا ہے یہ راجہ انگ پال کا زمانہ تھا سب سے پہلے آپ نے اوچ کی بنیاد رکھی اور بانی اوچ کے نام سے مشہور و معروف ہوئے بیان کرتے ہیں کہ علاقہ اوچ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ اوچ موغلہ جس کو مغلوں نے آباد کیا۔ اوچ بخاری اس خطہ زمین کو شیخ جمال الدین شیخ خجندی جو سادات بخارا سے نسبت رکھتے تھے ۷۰۰ھ میں آباد کیا اور اوچ گیلانی سید صفی الدین گازرونی رح نے سن ۳۷۰ھ میں آباد کیا۔ اور عمارتیں بھی بنوائیں۔ آپ شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہر یار گازرونی رح کے مرید و خلیفہ ہیں۔ اور اپنے شیخ کے ارشاد پر آپ نے اُس سرزمین میں سکونت اختیار فرمائی اور رشد و ہدایت کے نور کو عام کیا۔ آپ نے سن ۳۹۸ھ/۱۰۰۷ء میں وفات پائی۔

آپ کے تفصیلی حالات بہت کم یاب ہیں۔ اخبار الاخیار مولفہ عبدالحق محدث دہلوی اور فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین دہلوی رح) میں آپ کا ضمناً ذکر آتا ہے۔ مگر زمانہ کا تعین نہ اخبار الاخیار میں کیا گیا ہے نہ ہی فوائد الفواد میں ملتا ہے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح المتوفی ۷۸۵ھ یا ۷۸۶ھ) کے ملفوظات[1] سے ایک بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضرت سید جلال سرخ بخاری رح کے اوچ تشریف لانے سے قبل یہاں دو خانقاہیں پہلے سے موجود تھیں ایک گازرونیوں کی اور دوسری جمالیوں کی، حضرت سید جلال سرخ بخاری رح ۵۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ اور اوچ میں آپ کی آمد ۱۲۴۴ء بتائی جاتی ہے۔ سن ۶۹۰ھ/ ۱۲۹۱ء اوچ میں وفات پائی۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے دادا تھے۔ ان بیانات سے خزینۃ الاصفیاء کی مذکورہ روایت غلط ثابت ہوتی ہے کہ حضرت صفی الدین گازرونی رح، حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح کے بھانجے اور مرید و خلیفہ تھے اور اس بارے اخبار الاخیار کا درج حوالہ بھی غیر صحیح ہے۔

حضرت سید صفی الدین گازرونی رح شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن شہر یار گازرونی رح کے

---

[1] ماخذ ملفوظ المخدوم

مرید و خلیفہ اور خواہرزادے تھے۔ آپ مرتبہ کے لحاظ سے "المرشد" مشہور تھے سلسلہ المرشدیہ یا گازرونیہ آپ سے منسوب ہے[1]۔ اور اس کے علاوہ آپ طریقۂ اویسیہ سے بھی منسلک تھے۔ آپ کا سلسلہ طریقت چار واسطوں سے حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ المتوفی ۲۹۸ھ تک منتہا ہوتا ہے۔

ابو اسحق ابراہیم بن شہریار گازرونیؒ۔ مرید ابو علی حسین بن محمد الفیروزآبادی الاکارؒ مرید ابو عبداللہ محمد بن الخفیف الشیرازیؒ۔ مرید شیخ ابو محمد بن احمد رویمؒ مرید سید الطائفہ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ[2]

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونیؒ طریقۂ اویسیہ میں حضرت شیخ حسین الاکارؒ سے فیضیاب ہوئے اور طریقۂ بیعت و خلافت و تربیت میں حضرت ابو عبداللہ خفیف سے اخذ فیض ہوئے۔

آپکے کا شجرۂ طریقۂ اویسیہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے:۔ شیخ ابو اسحق گازرونیؒ مرید حضرت شیخ الاکارؒ، مرید حضرت ابو تراب نخشبیؒ، مرید حضرت ابو علی شفیق بلخیؒ، مرید حضرت ابراہیم ادھمؒ، مرید حضرت ابو موسیٰ زید راعیؒ (حبیب بن مسلم) آپ حضرت اویس قرنیؒ اور سلمان فارسیؓ دونوں سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت اویس قرنیؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اخذ فیض ہوئے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بحکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور حضرت سلمان فارسیؓ نے براہ راست حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پایا۔ حضرت شیخ ابو اسحاقؒ شہریار کو حدیث میں بھی مستند اور ثقہ مانا جاتا ہے آپ گازرون، شیراز، بصرہ، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بہت محدثین کی خدمت میں پہنچے اور ان سے حدیث میں استفادہ کیا۔ آپ نے ۶۹ سال عمر پائی اور ماہ ذی قعدہ ۴۲۶ھ[3] میں رحلت فرمائی[4]۔ صاحب تاریخ گزیدہ نے آپ کا سن وفات ۴۲۴ھ لکھا ہے۔ "شیخ ابو اسحق در شہر ذی قعدہ سال چہار صد و

---

[1] نجم الدین کبریٰ ص ۴۳
[2] خزینۃ الاصفیا ص ۲۲۵ طرائق الحقائق ص ۲۹۶ - ج ۲ و نفحات الانس ص ۱۷۶
[3] ۳۴ تحقیق در احوال و آثار نجم الدین کبریٰ اویسی تحقیق و تالیف منوچہر حسنی طبع ایران ۱۳۴۶ شمسی
[4] سفینۃ الاولیاء ص ۲۰۶ خزینۃ الاصفیا ص ۲۲۶-۲۲۷- نفحات الانس ص ۱۷۶

بست وشش ۴۲۶ھ ارتحال نمود وبقول حمداللہ مستوفی (صاحب تاریخ گزیدہ) چہارصد وبست و چہار[۴۲۴] بعہد قائم خلیفہ۔ وشصت ونہ[۶۹] سال عمروے بودہ۔"

خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ آپ حضرت شیخ مخدوم علی ہجویریؒ کے ہمعصر تھے مگر ملاقات نہیں ہوئی۔[۱]

"گویند کہ شیخ ابواسحاق شہریار گازرونے معاصر شیخ مخدوم علی ہجویریؒ صاحب کشف المجوب است لیکن باہم ہردو بزرگوار ملاقات واقع نشدہ۔"

صاحب نفحات الانس بھی اس قول کی تائید کرتے ہیں۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوریؒ اپنی تالیف کشف المحجوب میں مشائخ فارس کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے بارے لکھتے ہیں۔[۲]

"شیخ مرشد ابواسحٰق بن شہریار از محتشمان قوم بود وسیاستی تمام داشت۔"

آپ اپنے زمانہ کے نہایت سربرآوردہ اور اکابر علماء و مشائخ تھے آپ داتا گنج بخش لاہوریؒ کے ہمعصر تھے اور لاہور میں آپ کی آمد سے پہلے یا قریباً آپ کی آمد کے ساتھ ہی فوت ہوگئے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ کی ایک مستقل شاخ کے پیشوا اور پیرو مرشد ہیں جو سلسلہ گازرونیاں یا ابواسحقیان کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوریؒ المعروف بہ میراں بادشاہ نے بحوالہ تحفۃ الواصلین ۸۶۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کو روڑہ متصل دہلی دروازہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کے پیر ومرشد حضرت شیخ اوحدالدین اوحدی اصفہانیؒ نے ۷۳۰ھ میں رحلت فرمائی اور تبریز میں مقام مراغہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے پیر ومرشد کا نام شیخ اوحدالدین اوحد حامد الکرمانیؒ نے ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔ منتخب التواریخ میں شیخ اوحدالدین اوحد حامد الکرمانی رح کا سن وفات ۶۲۵ھ[۳] بیان کیا جاتا ہے اور شہر بغداد میں مدفون ہیں یہ زمانہ عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور بن ظاہر ملقب بہ مستنصر باللہ کا تھا۔ آپ کی شہرہ آفاق مثنوی مصباح الارواح میں آپ کا سن وفات ۶۹۷ھ

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۳۰ [۲] کشف المحجوب نسخہ مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے ص ۱۷۹، کشف المحجوب نسخہ ژوکوفسکی طبع ایران ص ۲۱۵،

[۳] انوار الاصفیاء ص ۲۲۴

تحریر ہے۔ یہ تاریخ وفات ۶۹۷ھ[1] زیادہ معتبر اور قابل اعتماد ہے۔ آپ شیخ رکن الدین سجاسی رح کے مرید و خلیفہ تھے۔ شیخ رکن الدین سجاسی رح نے شیخ قطب الدین ابو رشید ابھری رح سے خرقہ خلافت پایا اور آپ شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا سن وفات ۵۶۳ھ ہے۔ اس لحاظ سے حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح کا سلسلہ طریقت او حدیہ سجاسیہ ابھریہ اور سہروردیہ ہے پھر چند واسطوں سے حضرت ابو القاسم جنید بغدادی رح (المتوفی ۲۹۸ھ) تک پہنچتا ہے جو سلسلہ جنیدیہ کے نام سے معروف ہے۔

بعض محققین کی رائے میں حضرت ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر رح سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں اور ان ہی سے معروف سلسلہ سہروردیہ کا اجراء ہوا اور آپ ہی کی ذات سے یہ سلسلہ طریقت منسوب ہے۔

طرائق الحقائق[2] کا مصنف لکھتا ہے "سلسلہ سہروردیہ کہ منسوب شیخ ابو النجیب ضیاء الدین عبد القاہر سہروردی است"۔

محققین کے دوسرے گروہ کی رائے میں یہ سلسلہ سہروردیہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رح المتوفی ۶۳۲ھ سے آغاز ہوا اور آپ اس کے موجد کہلاتے ہیں۔

صاحب روضات الجنان[3] تحریر کرتے ہیں "دیگر سہروردیہ کہ سرخیل ایشاں شیخ شہاب الدین عمر سہروردی است کہ پسر برادر و مرید شیخ ابو النجیب است"۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رح حضرت ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر رح کے برادر زادے، مرید اور خلیفہ تھے اور آپ ہی سے فیضیاب ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی درگاہ کے جانشین ہوئے اور آپ کے مشن کو جاری رکھا۔ بعض محققین نے آپ کو جنید ثانی اور غوث اعظم ثانی بھی لکھا ہے۔ اور سلسلہ سہروردیہ

---

[1] قلمی نسخہ بودلین Bodlaian لائبریری کی فہرست مخطوطات عربیہ و فارسیہ ج ۲ کے ص ۱۲۱، شمارہ ۱۲۷۴، ۳۸۴، ۳۸۶ مندرج ہے۔

[2] سید معصوم علی شاہ شیرازی۔ طرائق الحقائق طبع تہران (ایران) ص ۳۰۶ - ج ۲

[3] روضات الجنان طبع تہران (ایران) ص ۲۳۷ ج ۲

کے اصل بانی حضرت ضیاءالدین ابوالنجیب عبدالقاہرؒ بیان کرتے ہیں۔

حضرت سید اسحاق گازرونی رح لاہوری اسی سلسلہ کی مستقل اور اہم شاخوں سے ایک شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو سلسلہ اوحدیہ اور ابھریہ کے نام سے معروف ہے۔ آپ کا سلسلہ بیعت اوحدیہ بجا سے ابھریہ سہروردیہ اور جنیدیہ ہے مگر عام طور پر آپ حضرت سید اسحاق گازرونی رح سہروردی کے نام سے مشہور زمانہ ہوئے ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین رح ابوحفص محمد عمر سہروردی اور ان کے پیر و مرشد حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردیؒ اور ان کے رہنما حضرت شیخ وجیہہ الدین سہروردیؒ قصبہ سہرورد جو عراق عجم کے اندر ہمدان اور زنجان کے درمیان واقع ہے کے رہنے والے تھے اس سلسلہ کو فروغ دیا اور لاکھوں انسان اس سلسلہ عالیہ سے اخذ فیض ہوئے۔

متذکرہ بالا بیانات کی روشنی میں بلا تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح اور حضرت بابا اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی رح دو مختلف شخصیتیں ہیں۔ دونوں ہم نام اور ایک ہی شہر کے رہنے والے تھے۔ اوّل الذکر بزرگ آٹھویں صدی ہجری کے ہیں اور موخرالذکر بزرگ چوتھی صدی کے ہیں۔ ان کے درمیان کم و بیش چار سو سال کا فرق ہے۔ مورخین اور تذکرہ نگاروں کو اسمی و وطنی مشابہت کے باعث اشتباہ ہوا ہے اور زبردست دھوکہ کھایا ہے۔ پھر بغیر تحقیق کے بڑے بزرگ کی روایات دوسرے کے حالات میں درج کر دی ہیں جو اختلافات کا باعث بن گئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت سید صفی الدین گازرونی رح حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوریؒ کے مرید و خلیفہ اور خواہر زادہ نہیں ہو سکتے۔ آپ شیخ ابواسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی رح کے مرید و خلیفہ اور خواہر زادہ ہیں۔ جن کا سلسلہ طریقت بھی بالکل الگ ہے۔ اور وہ "المرشد" کے نام سے معروف ہے۔

۵۔ درس و تدریس اور اخلاق و عادات حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح

حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح عظیم صوفی اور عظیم مبلغ تھے۔ آپ ایک طویل عرصہ تک لاہور میں رشد و ہدایت میں مصروف رہے۔ لاہور کے جلیل القدر

علماء فضلاء اور سادات کی بڑی تعداد آپ کے حلقہ درس و ارادت میں شامل تھی اور ظاہری و باطنی امور میں ان سے فیضیاب ہوئی۔ مفتی غلام سرور بحوالہ تحفۃ المومنین بیان کرتے ہیں کہ آپ نے طویل عمر پائی۔ اور جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہدایت یاب ہوتا۔ "صاحب رسالہ تحفۃ المومنین می فرماید کہ سید اسحاق گازرونی لاہورے عمر طویل یافت و ہر شخص کہ خدمت وے حاضر شدے ہدایت رسیدے۔"

بیان کرتے ہیں کہ جس مقام پر آپ نے سکونت اختیار کی تھی وہ مقام پُر رونق اور مرکزی علمی، دینی و روحانی حیثیت رکھتا تھا یہی مقام دورِ مغلیہ میں گذر "ھیرتہ" کے نام سے معروف ہوا اس جگہ کا نام لعل بیگ بخشی کے تذکرہ ثمرات القدس میں واضح طور پر ملتا ہے۔

علیم الدین انصاری (نواب وزیر خاں) دین پسند حاکم تھا۔ علماء اور فضلاء کا بہت معتقد تھا۔ اپنا وقت بزرگوں کی صحبت میں بسر کرتا تھا۔ شیخ فرید بھکری اپنی تالیف ذخیرۃ الخوانین میں لکھتے ہیں "عمر عزیز را بہ سادگی بسر برد و مرد دین دار و دیانت دار دولت خواہ درگاہ جہاں پناہ بود۔ صدق اخلاص و درست اعتقاد با حضرت خلیفہ الٰہی بمرتبے داشت کہ گذشت" مزید فرماتے ہیں کہ عبادت حق خدمتگاری حضرت خلیفہ مطلق را عین عبادت می انگاشت۔"

بادشاہ اور امراء کا بہت احترام کرتا تھا۔ بہت مخلص خدمت گار اور پیر پرست بھی تھا۔ حضرت ایشاں رح سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ آپ کی صوفیانہ مجالس میں شریک ہو کر علمی اور روحانی فیوض و برکات سے فیضیاب ہوا پھر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ایشاں رح کے مزار پر آپ نے نواب سعد اللہ خاں کی معیت میں مقبرہ و گنبد تعمیر کروایا پھر ان کی نگرانی بھی کرتے رہے۔ ان کی علمی اور دینی مجالس سے متاثر ہو کر عالیشان مسجد کی بنیاد اسی مقام پر رکھی جس جگہ

---

[1] رسالہ تحفۃ المومنین کس نے لکھا ہے اور کس سن میں تصنیف ہوا۔ کس دور کے بزرگوں کے حالات و واقعات بیان ہیں، کے متعلق کوئی تصدیق نہیں ہو سکی۔ تاکہ اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ اشتباہ ہوتا ہے کہ تحفۃ المومنین کی بجائے "تحفۃ الواصلین" ہو گا۔ جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ [2] ص ۵۱ - ۵۲ (قلمی نسخہ) [3] ص ۱۷ جلد سوم

[4] دیکھیں حالات ص ۱۰۶

حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوریؒ کا دینی اور تبلیغی مقام تھا۔ پھر یہ مقام مسجد نواب وزیر خاں[1] کے نام سے معروف ہوا۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی تصنیف "مسجد وزیر خاں لاہور" میں تحریر کرتے ہیں[2] "نواب وزیر خاں نے لاہور کی اس مرکزی کیفیت کو نہایت اہم تصور کرکے یہاں یہ عظیم الشان مسجد بطور ایک مکمل جامع اسلامیہ کو قدیم علمی ادارہ شیخ اسحاق گازرونی رح پر تعمیر کیا۔ مگر افسوس آج اس مسجد کے تمام گردونواح کو مسخ کر دیا گیا ہے" مزید لکھتے ہیں کہ جب وزیر خاں نے اپنی مسجد کی تعمیر کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے نہایت[3] سوچ سمجھ کر مرکز لاہور تصور کرتے ہوئے یہاں موجودہ مسجد کو ایک ادارہ کے احیاء کی صورت میں تعمیر کیا" مذکورہ بالا بیان سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ جگہ یعنی موجودہ چوک وزیر خاں بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق دینی و علمی اور روحانی مرکز تھا اور شہر لاہور کا پُر رونق مقام تھا۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ نے ایک علمی اور تبلیغی مرکز بھی قائم کیا جس میں علماء اور طلبا قیام رکھتے تھے۔ ان کی پوری طرح تربیت کی جاتی تھی۔ پھر اشاعت دین کے فریضے کی ادائیگی کے لئے مختلف شہروں اور ممالک کو روانہ کیا جاتا تھا۔ اگر لوگوں اور مریدوں کی عبادات میں کوئی غلطی محسوس کرتے تو فوراً اس کو متنبہ کرتے تھے۔ آپ کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لانے میں بڑی قدرت حاصل تھی۔ آپ کی برکت سے بہت مخلوق راہ راست پر آئی اور مشرف با اسلام ہوئے۔

حضرت سید اسحاق گازرونی رح کا حلقہ مریدان بہت وسیع تھا۔ آپ سلسلہ اویسیہ، سہروردیہ، ابصریہ اور سہروردیہ سے منسلک تھے۔ اور پیرو مرشد کے طریقہ تصوف کو فروغ دیا۔ اس مکتب فکر سے مختلف مراکز رونما ہوئے، متعدد شاخیں پھوٹیں اور اتنی مہک اٹھی کہ فارس اور ہندوستان ان کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

مفتی علی الدین بن مفتی خیر الدین "عبرت نامہ[4]" میں تحریر کرتے ہیں "دوم درگاہ حضرت سید پیر اسحاق گازرونی کہ پیرو مرشد سید زین العابدین[5] کہ نگاہی والا مشہور و معروف اند در مسجد وزیر خاں مشہور بہ میراں بادشاہ است ہم چنیں مرداں ہر شب جمعہ و روز بر درگاہ موصوف بہرہ یاب و حصول مدعا می نمایند"

لہ دیکھیں حالات ص۱۹۴ ۔ ۲ مسجد وزیر خاں لاہور ص ۱۰، ۱۱، ص ۲۳ ۔ ۳ ص۹ جلد دوم

سلہ بیان کرتے ہیں کہ نگاہی والا خاندان بستی گگی سرور ڈیرہ غازی خاں میں مقیم ہے۔

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ سید زین العابدین جونگاہی والا کے نام سے مشہور تھے آپ کے مریدوں میں سے تھے۔ جمعرات کی رات اور جمعہ کے دن آپ کے روضۂ اقدس پر ہزاروں عقیدت مند حاضری دیتے اور فیضیاب ہوتے۔ آپ تحمل اور بُردباری میں باکمال بزرگ تھے
مصادر و ماخذ کی کمی کے باعث آپ کے ابتدائی دَور کی علمی اور صوفیانہ سرگرمیوں کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ چند باتیں جو متقدمین علماء، فضلاء اور صلحاء سے آپ کے بارے دستیاب ہوئیں صرف ان ہی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ معاصرانہ تذکروں اور کتب تاریخ میں ذکر نہ ہونے کے باعث آپ کی زندگی کے حالات بڑی حد تک پردہ اخفا میں ہیں اور بعض مقامات پر خاص تضاد بھی نظر آتا ہے ہو سکتا ہے کہ کچھ اور ماخذ مل جانے سے یہ اُلجھنیں رفع ہو سکیں۔

۶۔ خوارق و کرامات حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری رح

حضرت سید اسحاق گازرونی رح کے خوارق و کرامات حد حصر سے زیادہ ہیں بوجہ خوف طوالت آپ کی چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے آپ بڑے مشفق، مہربان، رحمدل اور حلیم الطبع بزرگ تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری تحفۃ الواصلین کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں[1] کہ لاہور کا ایک متمول شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن آپ نے اس کی طرف متوجہ نہ ہونے وہ ناراض ہو کر آپ کو گالیاں دینے لگا۔ لیکن آپ خاموش رہے اور کسی قسم کی ناراضگی کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ جب وہ شخص بہت دیر تک آپ کو بُرا بھلا کہتا رہا تو حاضرین مجلس سے کسی شخص نے آپ سے کہا یہ شخص اتنی دیر سے آپ کی شان میں گستاخی کر رہا ہے آپ اس کیلئے بد دعا فرمائیں تاکہ اپنی گستاخی کی سزا پائے آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کچھ دیر تک آہستہ آہستہ دعا فرماتے رہے ابھی آپ دعا ختم نہ کر پائے تھے کہ وہ گستاخ اور بے ادب زمین پر بے ہوش ہو کر گرا اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد جیسے ہی ہوش میں آیا اٹھ کر حضرت کے قدموں پر گر پڑا معافی چاہی اور آپ کا مرید ہو گیا۔
پھر آپ نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اس شخص کے حق میں دعائے خیر کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس کو نیکی عطا فرمائی اس پر اسرار باطن عیاں ہو گئے یہ بہتر ہے اگر میں اس کے لئے بد دعا کرتا تو یہ اپنی سزا کو پہنچتا۔

حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی ذاتِ بابرکات میں جمالیت اور جلالیت دونوں پہلو موجود ہیں۔ موراں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی محبوب رانی تھی۔ اس رانی کی رسائی یہاں تک بیان کی جاتی ہے۔

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد دوم ص ۲۹۲-۲۹۳

کہ دربار کا کوئی کام اس کے مشورہ و تجویز کے بغیر سرانجام نہ پاتا تھا۔ مہاراجہ نے اس کے نام ضرب بھی جاری کی اور سارے پنجاب میں اس کا سکہ رائج ہوا۔

مفتی تاجدین بن مفتی امام الدین بن قاضی نظام الدین قدیم لاہور کے حالات میں تحریر کرتے ہیں[1] "حالت تعشق میں مہاراج نے ضرب بنام بی موراں لگوائی اور وہ روپیہ بھی برابر رائج رہا۔ ایک خزانہ باہر قلعہ کے تھا جس پر لعل سنگھ مختار تھا۔ گرانبہا شے قلعے والے خزانہ میں رکھی جاتی تھی اور کچھ نقد روپیہ موتی مسجد میں جس کو "موتی مندر"[2] کہتے ہیں جمع تھا۔ قلعہ لاہور سے کچھ دور اور مسجد نواب وزیر خاں کے نزدیک بازار صحافاں ایک پُررونق اور تجارتی مرکز تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ عموماً اس بازار سے گزر کر دہلی دروازے کے راستے مزار حضرت شاہ بلاول قادری[3] اور شاہ حسین (مادھو لال حسین) کو جایا کرتا تھا۔ ایک دن اتفاقاً مہاراجہ رنجیت سنگھ اور رانی موراں بازار صحافاں[4] سے گزرتے ہوئے مسجد وزیر خاں میں داخل ہو گئے۔ مسجد کے صحن میں حضرت سید اسحاق گازرونی رح کا مزار پُرانوار ہے اور اس کے پاس والے مینار پر چڑھ کر اندرون شہر کا نظارہ کیا۔ دن بھر اس مینار پر عیش و عشرت میں مشغول رہے۔ اسی روز قدرت الٰہی نے یہ رنگ دکھلایا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ رات کو سخت بیمار ہو گیا۔ حاضرین نے کہا کہ یہ آثار غضب اس ولی اللہ کا ہے جس کا مزار اس مسجد کے صحن میں واقع ہے۔ مسجد اور ان کے تقدس و احترام کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ مہاراجہ خوف زدہ ہوا اور پانچسو روپیہ نذر پیش کی اور عہد کیا کہ اس مقدس مقام پر کبھی ایسی حرکت سرزد نہ ہو گی۔

حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی اس کشف و کرامت کے سبب یہ مسجد سکھ گردی کا شکار نہ ہوئی اور سکھوں کے آئندہ صدمات سے محفوظ رہی[5]۔ لاہور کے عہد اسلامی کا یہ

---

[1] اقتباس از تاریخ لاہور تصنیف مفتی تاجدین مرحوم ورق ۳۷ (بحوالہ اورینٹل کالج میگزین لاہور ص ۳، ۲ مئی ۱۹۳۶ء)

[2] یہ مسجد سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے قلعہ لاہور جانب مغرب دولت خانہ جہانگیر کی ڈیوڑھی کے پاس واقع ہے۔ عہد جہانگیر اور شاہ جہان کی یادگار ہے اور موتی مندر کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ سن ۱۷۹۹ء سے لے کر ۱۸۴۹ء تک قلعہ لاہور سکھوں کے قبضہ میں رہا اور رنجیت سنگھ کا انتقال بھی اس قلعہ کے شش محل میں ہوا تھا (عمدۃ التواریخ ج ۳ ص ۲ ۱۵۲-۱۵۵)

[3] دیکھیں حالات ص ۱۰۲

[4] اس بازار کو بازار کتب فروشاں بھی کہتے ہیں کاتب، صحاف، نقاش، جلد ساز دیگر کاروباری تاجر یہاں سکونت رکھتے ہیں۔

[5] تاریخ لاہور از کنہیا لال ص ۱۷۷

آثار جو ہمارے ماضی کا آئینہ دامانت ہیں شکست وریخت سے بچ گئے اور مسجد وزیر خاں کی زینت قائم رہی۔ اسکے علاوہ تحقیقات چشتی میں مرقوم ہے سلہ۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر اس کی منسلقی کی طرف ضرور توجہ فرماتے مگر سکھوں میں مشہور ہے کہ نواب وزیر خاں مرحوم جناب گورو ارجن صاحب سے نہایت ارادت مندانہ پیش آتا رہا تھا۔ حال تیسرہ گورو ارجن صاحب میں حال نواب صاحب کی ارادت کا بجناب گورو ارجن صاحب مرقوم ہے۔"

مولوی محمد دین فوق تذکرۃ العلماء والمشائخ میں تحریر کلہ کرتے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں غلام محمد المشہور امام گاموں سکہ مسجد وزیر خاں کے امام تھے۔ مہاراجہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ مسجد وزیرخاں محض آپ کی طفیل اس زمانہ میں سکھوں کے قبضہ اور مداخلت سے بچی رہی۔

۷۔ حالات پیرومرشد حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری قدس اللہ سرہٗ

حضرت اوحدالدین اوحدی اصفہانیؒ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے پیرومرشد تھے اور ان ہی سے خرقہ خلافت پایا۔ آپ عظیم صوفی زبردست عالم اور بلند پایہ شاعر صاحب کمال اور انواع علوم ظاہر و باطن میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ آپ کا وطن اصفہان تھا۔ اس بارے مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں رقم طراز ہیں کلہ۔

"سید اسحاق گازرونی لاہوری المشہور میران بادشاہ قدس سرہٗ صاحب مقامات بلند و کرامات ارجمند از خاندان سادات عظام حسینی است و بوقت خود شیخ المشائخ و قطب الاولیاء بود و نسبت ارادت بخدمت اوحدالدین اصفہانیؒ داشتہ" مزید تحریر کرتے ہیں۔ "شیخ اوحدالدین اصفہانیؒ قدس سرہٗ از خلفائے عظام شیخ اوحدالدین کرمانیؒ است از کبار اولیائے عہد خود بود۔ کلہ"

مولانا عبدالرحمان جامیؒ نفحات الانس میں تحریر کرتے ہیں۔ "شیخ اوحدالدین حامد الکرمانی قدس اللہ سرہٗ وی مرید شیخ رکن الدین سجاسی است و وی مرید شیخ قطب الدین الابہرے و وی مرید ابوالنجیب سہروردی قدس اللہ تعالیٰ سرہم بسیار بزرگ بودہ است و صحبت شیخ محی الدین ابن العربی رسیدہ است۔ کلہ"

سلہ تحقیقات چشتی ص ۱۰۲۱ کلہ تذکرۃ العلماء والمشائخ ص ۲۰ کلہ آپ شیخ عبداللہ بلوچ کے مرید تھے اور سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ شریعت ظاہری اور باطنی دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ گنج مخفی اور شمس التوحید آپ کی تصانیف ہیں۔ پنجابی زبان میں بھی آپ کے ابیات موجود ہیں۔ غریب آپ کا تخلص تھا۔ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کو آپ نے وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ بعمارت بلند پختہ مسجد وزیرخاں سے باہر جنوب کی جانب واقع ہے۔ کلہ ص ۲۹۲ جلد دوم ۵ ص ۲۸۹ جلد دوم کلہ ص ۰۶ لم نفحات

شیخ اوحدالدین اصفہانیؒ، شیخ اوحدالدین حامد الکرمانیؒ کے مرید تھے اور ان ہی سے خرقہ خلافت پایا اور شیخ صدرالدین رومیؒ آپ کے پیر بھائی تھے۔ شیخ اوحدالدین حامد الکرمانی رح بلند پایہ شاعر تھے انکا تخلص اوحد تھا۔ آپ کے مرید شیخ اوحدالدین اصفہانیؒ نے اپنے پیرو مرشد کے نام کی رعایت سے اوحدی تخلص کی۔ اور اسی نام سے شہرت پائی، حالانکہ آپ پہلے صافی تخلص کرتے تھے۔ آپ مذہباً شافعی، مسلکاً شیعی، مزاج اور مشرب میں نکتہ نظر وجودی رکھتے تھے۔ آپ نے حکیم سنائی غزنوی کی مثنوی حدیقۃ الحقیقت کے وزن اور اسلوب پر ایک مثنوی جام جم[1] لکھی جس کو بہت مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ یہ مثنوی اخلاق و تصوف اور معرفت کے بیان میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ مثنوی معرفت الٰہی کا سرمایہ اور اسرار ایزدی کا گنجینہ ہے۔ حکیم سنائی کی طرح آپ بھی حکیم اوحدی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ آخری ایلخانی بادشاہ سلطان ابوسعید خان بہادر بن الجایتو (۷۱۶ھ-۷۳۶ھ)[2] کے دربار میں ملک الشعرا تھے۔ آپ نے سلطان ابوسعید اور اس کے وزیر غیاث الدین محمد بن خواجہ رشید الدین فضل اللہ کی مدح بھی لکھی ہے۔ درج ذیل چند اشعار آپ کے ملاحظہ ہوں:

اوحدی شصت سال سختی دید — تا شبے روئے نیک بختی دید

سر گفتار ما مجازی نیست — باز کن دیدہ کیں بہ بازی نیست

سالہا چوں فلک سیر گشتم — تا فلک وار دیدہ ور گشتم

ایں ہمہ گفت و گوئے توحید ست — راہ وحدت بترک و تجرید ست

سخن وحدت ست ہم چوں سراب — از سراب اے پسر کہ شد سیراب

خاکساران جہاں را بحقارت منگر — توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اپنی تصنیف "مسجد وزیر خان لاہور" میں تحریر کرتے ہیں۔ "آپ اسید اسحاق گازرونی رح، اوحدالدین کرمانی رح کے سلسلہ مریدان میں شامل تھے اور آپ سے اجازت لے کر گازرون سے یہاں لاہور میں تبلیغ اسلام کی خاطر تشریف لائے۔ ان کے علاوہ مولوی اعجاز الحق قدوسی "تذکرہ صوفیائے پنجاب[3]" میں اس قول کی یوں تائید کرتے ہیں۔

---

[1] جام جم کا قلمی نسخہ اچھے کی بودلین (Bodleian) لائبریری کی فہرست مخطوطات عربیہ و فارسیہ ج ۲ کے ص ۱۲۶۶ پر شمارہ ۲۲۵۹ کے تحت مندرج ہے [3] ص ۲۲ [4] ص ۶۸ و حاشیہ ص ۶۸

[2] ص ۲۰ ٹی ڈبلیو بیل: این اورینٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری طبع نیویارک ۱۹۶۵ء

"انہوں نے (سید اسحاق گازرونی لاہوریؒ) نے شیخ اوحد الدینؒ کے دستِ حق پرست بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ابتداء گازرون میں رہتے تھے۔ پھر اشارۂ غیبی کی بنا پر لاہور تشریف لائے۔ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ شیخ رکن الدین سجاسیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان کا سلسلۂ طریقت یہ ہے۔ شیخ اوحد الدینؒ مرید شیخ رکن الدین سجاسیؒ مرید شیخ قطب الدینؒ ابہری مرید شیخ ابو النجیب سہروردیؒ۔ شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کچھ دن شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی صحبت میں بھی رہے تھے۔"

ڈاکٹر صاحب اور مولوی صاحب کی تحقیق اس بارے نادرست ہے۔ ان کو اوحد الدین کے نام سے اشتباہ ہوا ہے کہ انہوں نے اوحد الدین اوحدی اصفہانیؒ پیر و مرشد حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی بجائے اوحد الدین کرمانیؒ لکھ دیا ہے جو حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے مرشد کے مرشد ہیں۔ اور وہ اوحد الدین اوحد حامد الکرمانیؒ کے نام سے معروف ہیں۔ بہرحال خزینۃ الاصفیاء کے مطابق شیخ اوحد الدین اوحدی اصفہانی رح نے ۷۳۷ھ میں رحلت فرمائی اور اوحد الدین اوحد حامد الکرمانی رح نے ۶۲۰ھ میں وفات پائی۔ منتخب التواریخ کے قول کے مطابق شیخ اوحد الدین اوحد حامد الکرمانی رح کا سن وفات ۶۳۵ھ بیان کیا جاتا ہے۔ اور مصباح الارواح میں ۶۹۷ھ تحریر ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مصباح الارواح کا درج سنِ وفات قابلِ اعتماد ہے۔ جب کہ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی جسے عقل بھی قبول کرتی ہے۔

حضرت شیخ اوحد الدین اوحد حامد الکرمانی رح کو سماع سے غیر معمولی شغف تھا۔ شیخ شمس الدین تبریزیؒ نے مولانا رومیؒ کے سامنے فرمایا کہ شیخ اوحد الدین عاشق مزاج ہے لیکن پاکباز اور پاک دامن ہیں۔ آپ کی مشہور مثنوی "مصباح الارواح" ہے۔

۱؎ ص ۲۸۹، ۲۹۲ جلد دوم ۲؎ ص ۲۲۴۔ انوار الاصفیاء

۳؎ قلمی نسخہ بوڈلین (Bodleian) لائبریری کی فہرست مخطوطات عربیہ و فارسیہ از ایتھے ج ۲ کے ص ۱۷۲۱، شمارہ ۱۲۷۲، ۳۴۴، ۳۸۹ مندرج ہے۔ ریو (Rieu) اور ٹی۔ ڈبلیو۔ بیل این اورینٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری میں سنِ وفات ۶۹۷ ہجری ہی لکھا ہے۔ ۴؎ سفینۃ الاولیاء ص ۲۲۷ و ماخذ طرائق الحقائق ج دوم ص ۳۱۵۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ (المتوفی ۶۶۴ھ) عالم جوانی میں اپنے علم ظاہری کی تکمیل میں سیستان کی دینی درس گاہ میں مشغول تھے کہ آپ کی ملاقات نواح سیستان میں وقت کے مشہور و معروف اور صاحبِ کرامت بزرگ حضرت شیخ اوحدالدین کرمانیؒ سے ہوئی جب بابا فرید گنج شکرؒ ان کی خدمت میں پہنچے تو وہ کھڑے ہو گئے اور حضرت بابا صاحبؒ کو گلے لگا کر فرمایا۔ "زہے سعادت کہ تم ہمارے پاس آگئے" [1]

۸۔ وصال حضرت سید اسحاق گازرونیؒ لاہوری

مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ تحفۃ الواصلین بیان کرتے ہیں کہ حضرت سید اسحاق گازرونیؒ نے ۷۸۶ھ میں وفات پائی۔ متقدمین مورخین نے سال وفات کا استخراج "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کیا ہے۔ اور رسالہ مذکورہ میں یہ قطعہ بھی درج ہے۔

سید اسحاق ولی کریم — گشت چوں زیں دہر بجنت مقیم
سال وصل او[2] عجب آمد ز دل — "بسم اللہ الرحمن الرحیم"

۷۸۶ھ

ترجمہ

سید اسحاق نیک دل ولی جب اس دنیا سے جنت میں تشریف فرما ہوئے تو دل نے ان کے وصال کا سال "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے حاصل کیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کو گزر رڑہ متصل دہلی دروازہ میں دفن کیا گیا جہاں آج بھی آپ کا مزار پُر انوار زیارت گاہ خلق ہے۔

صاحب ثمرات القدس تحریر کرتے ہیں[3] "ایں فایض الانوار وفات تاریخ سنہ ہفتصد تا سنہ نہصد ولود(۹۹۹) نہ بہمان حیات بود۔ چوں وفات یافت بدروازہ دہلی متصل بازار رزہ فی الاصل مدفون ساختند۔"

---

[1] راحت القلوب ص ۲۴ [2] بعض تذکروں میں "وصل او" کی بجائے "وصال" لکھا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۲ ج دوم

[3] ثمرات القدس قلمی ص ۵۱، ۵۲

صاحب ثمرات القدس کے قول کے مطابق آپ نے ۶۰۰ ہجری تا ۶۹۹ ہجری کے درمیان کسی سال وفات پائی بازار رتہ متصل دہلی دروازہ میں دفن ہوئے۔ صاحب ثمرات القدس نے آپ کی تاریخ وفات ایک اندازہ کے مطابق بیان کی ہے مقررہ تاریخ وفات نہیں لکھی۔

سب سے پہلی کتاب جس میں سید اسحاق گازرونی رح کے حالات زندگی دستیاب ہوئے ہیں۔ وہ تحفۃ الواصلین تھی ہے۔ یہ کتاب اس زمانہ میں نایاب ہے۔ صرف چند کتابوں میں اس کے چند حوالے ملتے ہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری اور مولوی نور احمد چشتی اپنی گراں قدر تالیفات میں اسی کتاب کے جا بجا حوالے دیتے ہیں جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ کتاب ان کے پاس موجود تھی۔

رائے بہادر کنہیا لال "تاریخ لاہور" میں لکھتے ہیں[1]۔ "شیخ احمد زنجانی صاحب تحفۃ الواصلین جس نے وہ کتاب ۴۳۵ھ عہد سلطان محمود غزنوی میں مقام لاہور اس شہر کے علماء و فضلاء کے حال میں لکھی ہے"۔ اس بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ کتاب شیخ احمد زنجانی رح کی تحریر کردہ ہے اور ۴۳۵ھ میں لکھی گئی۔ اگر ۴۳۵ھ سن تصنیف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی تاریخ وفات ۶۸۶ھ غیر صحیح ہے اگر صاحب ثمرات القدس کے بیان کو مدنظر رکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب تحفۃ الواصلین ۴۳۵ھ کی تصنیف نہیں بلکہ ۶۰۰ھ/۶۸۶ھ یا اس کے بعد کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ عدم موجودگی کے باعث سن تصنیف کی صحیح تحقیق نہیں ہو گی۔

لعل بیگ[2] لعلی بدخشی ثمرات القدس میں حضرت سید اسحاق گازرونی رح کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں۔

" بہ تخریب مقابر و اصاغر و اکابر مصروف گشت سعادت مندے کہ زبان قلم نامش را نمی برد و مقرب خلیفہ وقت و عارض لشکر وے است چند ہزار قبر را منہدم گردانید چوں سنہ ۱۰۰۰ ہزار در آمد یکے از مقربان خلیفہ وقت کہ کرائے نامش بروں نکنند دراں سرزمین عمارتے بساخت و قبر ویرا درمیان بگرفت و فقیر دراں مدت بخدمت رکن تعین بود و چوں ازاں جا باز آمد آں عمارت دراں جا دیدہ شد از وی پرسید گفتند در حجرہ قبرش را درمیان گرفتہ و بحال خود گذاشتہ باقی العلم عند اللہ تعالیٰ و تقدس"

---

[1] ص ۳۳ [2] ثمرات القدس ص ۵۲ (قلمی نسخہ)

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ایک میدان تھا جس میں بہت سے مقبرے اور قبریں تھیں جو تباہ و برباد ہوگئیں پھر ان پر عمارات تعمیر ہوئیں۔ صاحب ثمرات القدس تباہ و برباد کرنے والوں کے ناموں سے ہم کو آگاہ نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت کا ملازم ہونے کی حیثیت سے ڈرتا ہو اور حقیقت بیان کرنے سے گریز کرتا ہو۔ پھر چند عرصہ کے لئے سفیر کی حیثیت سے دکن کی ریاستوں میں ملازم بھی رہا۔ جب واپس لاہور آیا تو دیکھا کہ بہت سی عمارات بنی ہوئی تھیں۔ اور حضرت سید اسحاق گازرونی رح کا مزار ایک حویلی میں لیا ہوا ہے اور اس کے گرد ایک خشتی حجرہ تعمیر ہے۔ یہ واقعہ سن ایک ہزار ہجری کے لگ بھگ یا اس سے قبل بیان کرتا ہے۔

حضرت سید اسحاق گازرونی رح کی تاریخ وفات ۷۸۶ھ کو عقل صحیح اور درست تسلیم کرتی ہے، کیونکہ آپ حضرت شیخ اوحدالدین اوحدیؒ اصفہانی کے مرید و خلیفہ تھے اور انہوں نے ۷۳۰ھ میں وفات پائی اور آپ کے پیر و مرشد شیخ اوحدالدین اوحد حامد الکرمانی رح نے بحوالہ منتخب التواریخ ۶۳۵ھ میں رحلت فرمائی[۱] اور مصباح الارواح کے مطابق جو زیادہ معتبر اور قابلِ اعتماد آپ کی تصنیف ہے سن وفات ۶۹۷ھ تحریر ہے۔ یہ تغلق بادشاہوں کا زمانہ تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کا عہدِ حکومت ۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ ہے اور بعمر پچاس سال دہلی کا بادشا ہوا۔ سن ۷۸۹ھ میں عالم پیری کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں اُس نے اپنے فرزند کو سلطنت سونپ دی اور ۱۳ رمضان المبارک سن ۷۹۰ھ کو پیر نود سالہ ہو کر اس نے انتقال کیا۔ حضرت سیدؒ اسحاق گازرونی رح آٹھویں صدی ہجری کے عظیم صوفی ہیں۔

مولوی محمد دین فوق تذکرۃ العلماء والمشائخ میں تحریر کرتے ہیں "سیدؒ ابو اسحاق میراں بادشاہ عالم فاضل اور شیخ کامل تھے۔ اپنے ملک ایران سے ساتویں صدی ہجری میں لاہور آئے محلہ رڈہ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سلطان فیروز شاہ جس کے نام پر مولانا عزالدین نے تاریخ فیروز شاہی لکھی ہے۔ تخت دہلی پر حکمران تھا۔ اکثر اشخاص اُن سے فیضانِ باطنی و ظاہری سے مستفید

---

[۱] ص ۲۲۴۔ انوار الاصفیاء   [۲] آپ کا صحیح اسم گرامی سید اسحاق گازرونی رح ہے اور میراں بادشاہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ابو اسحاق ابراہیم بن شہریار گازرونی رح چوتھی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ اسمی اور وطنی مشابہت سے مولوی صاحب کو اشتباہ ہوا ہے۔

ہوتے رہے۔ وفات ان کی ۷۸۶ھ میں ہوئی" مذکورہ بالا بیان تاریخی لحاظ سے غیر صحیح ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق ساتویں صدی ہجری میں تخت دہلی پر حکمران نہیں تھا۔ وہ آٹھویں صدی ہجری میں دہلی کا بادشاہ ہوا۔

۹۔ مزار حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح لاہوری

حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح کی وصیت کے مطابق آپ کا مزار خام بنایا گیا۔ صاحب ثمرات القدس رقم طراز ہیں[1]۔ "در اندک زمانے بیارہ سبز کہ در بہار و خزاں ہمیشہ سبز و خرم می باشد بر بیت و تمام تربے را فرو گرفت و بپوشید و ایں بیارہ ہر بی است کہ از ادویہ مقرری ہند است و بسیاری از دوا ہا بکار می آید۔ از ایں جہت مشہور گردیدہ پس "سیّد اسحٰق سبز در بہار و خزاں"۔

حضرت سیّد اسحاق گازرونی رح کی وفات کے بعد آپ کے مرقد پر درخت بیارہ[2] (بیارہ) نمودار ہوا جس نے خام مزار کو اپنی ننھی ننھی شاخوں میں ڈھانپ لیا یہ درخت بہار و خزاں میں ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس درخت کی سرسبزی اور شادابی کے سبب آپ "پیر سبز" کے نام سے بھی معروف ہو گئے۔ پھر ایسا فیضان عام جاری ہوا کہ ہر مریض کو اس کے پتے کے کھانے سے شفا ہو جاتی تھی اس کے علاوہ ہندوستان کی دواؤں میں بھی استعمال ہونے لگا۔ کئی برسوں تک آپ کا مرقد خام رہا۔ لودھیوں کی عملداری میں آپ کے مزار کے گرد ایک خشتی حجرہ تعمیر ہوا۔

خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے اپنے مضمون "قدیم لاہور" جو نومبر ۱۹۲۴ء میں اورینٹل کالج میگزین لاہور میں شائع ہوا تھا بیان کرتے کہ جب عہد لودھیاں قائم ہوا تو لوگوں کو آرام ملا اور رعیت نے آرام پایا سینکڑوں مسجدیں اور گنبدیں تعمیر ہوئے اور ہر ایک علم اور ہنر اور کمال نے ترقی پائی۔ بادشاہ بہلول لودھی اکثر لاہور اور دیپالپور میں رہا کرتا تھا۔ اس لئے اس کے عہد میں البتہ نسبتاً آبادی لاہور میں اضافہ ہوا بعد مرنے بہلول لودھی کے جب تک سلطنت اسکے خاندان میں رہی لوگ چین سے بستے تھے۔ عہد لودھیاں کے عمارات اور آثار جو اس وقت موجود ہیں ان کی تفصیل بھی بیان میں آتی ہے۔ دولت خاں کی باؤلی، دولت خاں کی سرائے، دولت خاں کا باغ،

---

[1] ثمرات القدس قلمی نسخہ ص ۵۲

[2] یہ ایک خودرو پودہ کا نام ہے بعض لوگ اسے پودہ "دن" بھی کہتے ہیں۔

قلعہ جات دولت آباد (جس کو گوڑ قلعہ بھی کہا جاتا ہے)۔

متذکرہ آثار کے علاوہ ہیں تالاب غازی لودھی اور حویلی نادر خاں کا بھی ذکر کتب تاریخ ہیں ملتا ہے۔ عملداری لودھیان (سلطان بہلول لودھی تا ابراہیم لودھی) (۸۶۰ھ تا ۹۶۲ھ) میں ایک شخص مسمی نادر خاں امیرالامراء نے حضرت ؒ کے مزار مبارک کے نزدیک اپنی حویلی جو بعد حویلی نادر خاں کے نام سے مشہور ہوئی تعمیر کرائی اور مزار کو اپنی حویلی کے وسیع احاطے کے اندر لے لیا اور مزار کے گرد ایک حجرہ خشتی بنوا دیا اور عمر بھر اس کی نگرانی کرتے رہے۔ یہ حویلی شاہجہاں کے زمانہ تک قائم رہی وہ سرسبز اور شاداب شاخیں جو حضرت ؒ کے مزار کو ڈھانپے ہوئے تھیں ہوا نہ لگنے کے باعث خشک ہو گئیں۔

جب علیم الدین انصاری (نواب وزیر خاں) لاہور کا ناظم مقرر ہوا اور مسجد جو اب مسجد نواب وزیر خاں کے نام سے مشہور ہے کی تعمیر سن ۱۰۴۴ھ/۱۰۴۵ھ میں شروع ہوئی۔ تو اس حویلی کو ان کے وارثوں سے خرید کر مسجد ہذا میں داخل کیا اور آپ کا مزار از سر نو تعمیر کروایا جو تعمیر مسجد وزیر خاں سے تقریباً اڑھائی تین سو برس قبل کی یادگار ہے۔

لودھیوں کے دورِ اقتدار میں مذکورہ حویلی کے علاوہ دولت خاں، بہار خاں اور عبدالعزیز ناظم لاہور نے دہلی دروازہ اور اس کے گرد و نواح میں بیشمار حویلیاں اور عمارات بنوائی تھیں جن کے اب نشانات باقی نہیں رہیں اور یہ میدان جو اب چوک وزیر خاں کے نام سے مشہور ہے کے گرد و نواح میں بہت سے[1] مزارات اور قبریں تھیں جن کے بھی اب نشانات باقی نہیں۔

مزار حضرت سیّد اسحاق گازرونی ؒ مسجد وزیر خاں کے صحن کے تہ خانہ میں سمت جنوب واقع ہے۔ اس کے گرد و نواح کی آبادی پختہ ہے۔ سڑکیں کشادہ اور گلیاں تنگ ہیں۔ یہ آبادی حویلیاں، خوبصورت عمارات اور تجارتی بازار سے مزین ہے۔ مسجد وزیر خاں کے صحن میں جاتے ہی عین وسط میں ایک چھوٹا سا دالان نظر آتا ہے۔ دالان کی چھت قدیم وضع کی منقش ہے۔ اس دالان کے اندر چھوٹی چھوٹی دس سیڑھیاں تہ خانے کو اترتی ہیں اور یہ زینہ دو مزار ایک بلند چبوترہ پر دکھائی دیتا ہے اس کے گرد جنگلہ ہے۔ مزار کا دروازہ جنوب کی جانب ہے۔ سرہانے ایک سنگ مرمر کی تختی ہے جس پر آپ کا اسم گرامی کندہ ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ آپ سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے جو غیر صحیح ہے۔ آپ شیخ اوحد الدین اوحدی اصفہانی ؒ کے مرید تھے اور ان سے

---

[1] ثمرات القدس ص ۵۲۔ الف (قلمی نسخہ)

خرقہ خلافت پایا آپ کا سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ اور سہروردیہ ہے جو اکابر مشائخ حضرت ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر السہروردیؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی قبر بہت بلند ہے اس پر عموماً سبز غلاف پڑا رہتا ہے۔ آپ کی اصلی قبر کے اوپر ایک اور قبر نقلی ہے جو مسجد کے عین وسط میں حوض کے متصل بنی ہوئی ہے یہ نشان تعویذ ہے۔

اس مزار کی تولیت اور نگرانی مختلف اوقات میں مختلف حضرات کے سپرد رہی۔ سکھی عہد میں مسجد وزیر خان کی امامت و خطابت اور مزار حضرت سید اسحق گازرونیؒ کی نگرانی حافظ غلام محمدؒ المعروف بہ امام گاموں بن حافظ محمد صدیقؒ بن مولانا محمد حنیفؒ بن محمد لطیفؒ لاہوری کے سپرد رہی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ میاں اللہ بخش نگران مقرر ہوئے۔

حافظ محمد صدیقؒ عربی اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے آپ کا تخلص تارک تھا۔ ایک دیوان آپ کی یادگار ہے جو دیوان "بمزیل الاحزان" کے نام سے معروف ہے اس دیوان میں فارسی اور عربی کے اشعار بطور پند و نصائح درج ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی تصنیف "تحذیر الاخوان" میں آپ نے اسناد علم حدیث اور فقہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کتاب میں آپ نے اپنی زندگی، تعلیم، تصانیف، استادوں اور دیگر اہل علم حضرات کے حالات درج کئے ہیں۔ سید اسحاق المعروف میراں بادشاہؒ کی شان میں جن کا مزار مسجد وزیر خاں کے اندر حوض کے پاس ہے۔ کچھ اشعار فارسی زبان میں تصنیف کئے ہیں از آں جملہ چند ایک حسب ذیل ہیں [1]

فارسی اشعار

بیا اے مومن سنی بہ بیت اللہ اندر شو	طہارت ساز از خون دل و یاقوت احمر شو
چو رو آری بہ محراب عبادت یاد کن محشر	گدازی از ریاضت نفس را وصاف چوں زر شو
فریضہ چوں ادا کردی بہ امر حضرت رحمان	یکاں بار از مزار سید اسحاقؒ انور شو
حصول غلبہ باز قرب چنیں کامل شود تارک	فدائے آل و اصحاب رسول اللہ اکبر شو

آپ نے ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء میں بعہد تیمور شاہ درانی رحلت فرمائی۔

صدر ایوب کے دور حکومت میں محکمہ اوقاف کا قیام عمل میں آیا جسکی بدولت بزرگان

---

[1] تذکرۃ العلماء والمشائخ از محمد دین فوق ضمن حالات مولانا محمد صدیقؒ نقوش لاہور نمبر ص ۵۰۲ مضمون از مولانا علم الدین سالک حدائق الحنفیہ از مولوی فقیر محمد جہلمی ص ۴۵۲

ان کے مزاروں کی دیکھ بھال کا کام براہِ راست حکومت کی تحویل میں آگیا اور یہ نشانیاں محفوظ و مامون ہوگئیں۔ مزار حضرت سید اسحاق گازرونی رح اور مسجد وزیر خاں اس وقت حکومت کی تحویل میں ہے۔ محکمہ اوقاف اس کا نگران ہے جو اپنے فرائض نہایت گرم جوشی سے انجام دے رہا ہے۔ ان کا سب سے بڑا مقصد خانقاہوں سے متعلق جائیدادوں کی آمدنی کو شریعت اسلامی کے مطابق تعمیرِ ملّت کے لئے خرچ کرنا ہے اور وقف املاک کی آمدنی واقفین کی منشاء کے مطابق خرچ کیا جائے۔ مقدّس عمارات کی ناگفتہ بہ حالت کو درست کیا جائے۔ زائرین اور عقیدت مندوں کی سہولت کے لئے مناسب اور معقول انتظامات کئے جائیں اور صاحب مزار کے مسلک کے مطابق تعلیمات کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ آج نہ صرف لاہور بلکہ پاکستان کے کونہ کونہ میں آپ کے عقیدت مند موجود ہیں جو سال کے عام دنوں میں اور خاص طور پر عرس کے موقعہ پر سکونِ قلب کے لئے آپ کی درگاہ پر حاضری دیتے ہیں اور مرجع خاص و عام ہیں۔ آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ ۱۳-۱۴ رجب المرجب آپ کے سالانہ عرس کی تاریخ ہے اس کے علاوہ مزار مبارک پر جمعرات کے روز ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں اور خاصہ میلہ ہوجاتا ہے۔ عرس کے موقع پر مجالسِ ذکر ہوتی ہیں۔ جن میں آپ کے عقیدتمند جوش و جذبہ اور سرمستی کے عالم میں شریک ہوتے ہیں اور خانقاہ کی عظمت و شوکت کو بحدِ امکان اُجاگر کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ روضہ مبارک پر صبح سے تمام بلکہ رات بھر قرآن کی تلاوت، نعت خوانی اور درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ مزار کے باہر ایک میدان ہے جو چوک وزیر خاں کے نام سے معروف ہے۔ اس چوک میں خاصی رونق ہوتی ہے۔ عرس کے دن مزار کے اردگرد دکانیں لگنی شروع ہو جاتی ہیں۔ آس پاس کی تمام سڑکوں اور گلیوں پر بھی رونق ہوجاتی ہے اور ہر آدمی اپنی ضرورت کے مطابق خرید و فروخت کرتا ہے۔

عہدِ مغلیہ میں یہ مقام پُر رونق تھا۔ اور تجارت کا ایک اہم مرکز تھا۔ کاروبار کے لحاظ سے اسے بہت اہمیت تھی اور لوگ بہت خوشحال تھے۔ سکھی عہد کے دوران بھی اس چوک کی رونق میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس کی تصدیق رائے بہادر کنہیا لال اپنی تصنیف "تاریخ لاہور" میں اس طرح بیان کرتے ہیں [1]

"سکھوں کے وقت (مسجد وزیر خاں) کی دکانوں پر بھی بڑی رونق رہتی تھی کہ جلد سازی کی دکانیں

---

[1] ص ۱۷۷

سوائے اس جگہ کے شہر کے کسی بازار میں نہ تھیں۔ جلد سازی و کتاب فروشی اسی مقام پر ہوتی تھی۔"
سکھوں کے وقت چھاپے کی کوئی کتاب ہندوستان (بھارت) سے پنجاب نہیں آتی تھی۔
قلمی کتابیں کاتب لوگ لکھ کر فروخت کرتے تھے تمام تجارت کتابوں کی وزیر خاں کی مسجد کے گنبد بیرونی کے دکاندار کیا کرتے تھے وہی لوگ جلدی بندی کا کام کرتے تھے۔ اس وقت کتاب فروشی کا بڑا کارخانہ میاں محمد بخش صحاف جو مولوی فضل دین صحاف کے والد تھے، کا تھا جس کے پاس تقریباً پچیس تیس کاتب ملازم کتابیں لکھا کرتے تھے اس کارخانہ سے قلمی کتابیں تمام پنجاب بلکہ ایران و خراسان تک سوداگر خرید کرکے جاتے تھے۔

کاغذ کی منڈی امرتسر، پشاور اور سرحدی علاقوں میں تھی یہ کاغذ پرگنہ سیالکوٹ میں تیار ہوتا تھا۔ اعلیٰ قسم کا کاغذ مذہبی کتابوں کی کتابت میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ادنیٰ اور درمیانہ درجہ کا کاغذ سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں استعمال ہوتا تھا یہ کاغذ مذہبی کتابوں کی کتابت کے لئے ایران خراسان اور کابل کو بھی بھیجا جاتا تھا۔

مذکورہ بالا بیان کی تائید بعض اور کتب سے بھی ہوتی ہے۔ چندر بھان برہمن "چہار چمن" میں لکھتا ہے[1]

"کتب بے شمار از عربی و فارسی و دیگر سخنہائے معتبر از تواریخ و مثنوی و دواوین متقدمین و متاخرین و ملتقطات و فکرات و رقعات و قطعات و نوشتہ جات خوشنویسان روزگار و سائر آلات و ادوات علمی از ہر قسم و ہر جنس بمعرض خرید و فروخت می آید۔"

غرضیکہ چوک اور مسجد وزیر خاں ایک علمی اور دینی مرکز تھا۔ مسجد کے ارد گرد کتب فروش اپنی دکانیں رکھتے تھے اور نوشت و خواند کا تمام سامان یہاں فروخت ہوتا تھا یہ چوک اور مسجد وزیر خاں خاص طور پر لاہور کے دینی، روحانی و علمی حلقوں میں مشہور و معروف تھا۔ چوک اور مسجد کا صحن علمی اور ادبی اغراض کی خاطر بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ یہ چوک جو کبھی عمارات، مکانات، دکانات، تجارتی منڈی اور دینی مراکز سے مزین تھا اب ایک چھوٹا سا قطعہ زمین رہ گیا ہے جہاں اب کپڑے کی چند دکانیں ہیں۔ شمال مشرقی گوشہ میں دروازہ کلاں[2] کے نزدیک مزار حضرت سید صوف المعروف بہ حضرت سید سید صوف ؒ واقع ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

---

[1] ورق ۱۰۴ قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور [2] یہ دروازہ سفید دروازہ کے نام سے بھی مشہور ہے

۱۰۔ شجرہ بیعت سلسلہ عالیہ حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوری

(اوحدیہ، سجاسیہ، ابھریہ، سہروردیہ اور جنیدیہ)

اسمائے گرامی

حضرت سید اسحاق گازرونی رح لاہوری سلسلہ اوحدیہ، سجاسیہ، ابھریہ، سہروردیہ اور جنیدیہ سے منسلک تھے اس سلسلہ کے بزرگوں کے نام بہ ترتیب حسب ذیل ہیں :۔

(۱) حضرت سید اسحاق گازرونی رح لاہوری (م ۶۸۶ ہجری)

(۲) حضرت شیخ اوحدالدین اوحدی رح اصفہانی (م ۷۳۶ ہجری)

(۳) حضرت شیخ اوحدالدین اوحد حامد الکرمانی رح (م ۶۳۵ ھ) (بحوالہ منتخب التواریخ)

(م ۶۹۷ ھ) (بحوالہ مصباح الارواح)

(۴) حضرت شیخ رکن الدین سجاسی رح (ھ)

(۵) حضرت شیخ قطب الدین ابو رشید ابھری رح (ھ)

(۶) حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر السہروردی (م ۵۶۳ ہجری)

(۷) حضرت شیخ احمد غزالی رح (م ۵۱۲ ھ)

(۸) حضرت شیخ ابو بکر نساج رح (م ۴۸۷ ھ)

(۹) حضرت شیخ ابو القاسم الجرجانی رح (م ۴۵۰ ھ)

(۱۰) حضرت شیخ ابو عثمان المغربی رح (م ۳۷۲ ھ)

(۱۱) حضرت شیخ ابو علی الکاتب رح (۳۴۶ ھ)

(۱۲) حضرت شیخ ابو علی الرودباری رح (م ۳۲۱ ھ)

(۱۳) حضرت شیخ ابو القاسم جنید البغدادی رح (م ۲۹۷ ھ)

(۱۴) حضرت شیخ سری سقطی رح (م ۲۵۱ ھ)

(۱۵) حضرت شیخ معروف کرخی رح (۲۰۰ ھ)

(۱۶) حضرت امام موسیٰ رضا الکاظم رح (م ۱۵۹ ھ)

(۱۷) حضرت امام جعفر صادق رح (۱۴۸ ھ)

(۱۸) حضرت امام محمد باقر رح (م ۱۱۴ھ)

(۱۹) حضرت امام علی زین العابدین رح (م ۹۴ھ)

(۲۰) حضرت امام حسین الشہید رض (م ۶۱ھ)

(۲۱) حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ)

(۲۲) حضرت سید المرسلین خاتم النبیین شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین، شفاعت دستگاہ، امت پناہ، سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

احقر

میاں اخلاق احمد

حصّہ دوم

ذکر شیخ اولالیاء حضرت سیّد صوف لاہوریؒ

۱- اخلاق و عادات حضرت سیّد صوف[1] لاہوریؒ

اسم گرامی حضرت سیّد صوفؒ، مگر حضرت سیّد سید صوف رح کے مبارک نام سے شہرت پائی، آپ صوفیہ عظام سے ہیں۔ بڑے مستجاب الدعوات، صاحب کرامات و عالی مقامات اور ظاہری و باطنی علم میں یگانہ روزگار تھے۔ آپ نے دین اسلام کی تبلیغ کی اور رشد و ہدایت کی شمع جلا کر ہزاروں انسانوں کو ذکر و اذکار کی تعلیم دی اور اور ان کے دلوں میں ایمان کی شعاعوں کو روشن کیا۔ آپ صاحب نسبت، صاحب دل، عابد، عارف باللہ، متقی، پرہیزگار، صاحب مروّت، پیر کامل، ہادی طریقت اور روحانی پیشوا تھے۔ ہزاروں افراد آپ سے فیض یاب ہوئے۔ مگر ان اکابر دین کا نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق محفوظ نہ کر سکے۔ آپ کا مزار موجودہ چوک وزیر خاں کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ اس چوک کی ہر گلی اور ہر کونہ میں کسی شہید یا ولی اللہ کا مزار قائم ہے جو اپنی گذشتہ عظمت کا پتہ دیتا ہے۔ مگر صفحات تاریخ لاہور ہمیں ان اولیاء کرام کے حالات سے آگاہ نہیں کرتے۔ رائے بہادر[2] کنہیا لال "تاریخ لاہور" میں لکھتے ہیں۔

"یہ مزار (حضرت سیّد صوفؒ) بھی مسجد وزیر خاں کی تعمیر سے اول یہاں بنا ہوا تھا اور مسجد پیچھے تعمیر ہوئی۔"

---

[1] مولوی نور احمد چشتی آپ کا اسم گرامی میراں سید صوفؒ اور سید سوفؒ بھی لکھتے ہیں۔ ص (۱۰۰۸) تحقیقات چشتی، [2] ص ۱۶۹

آپ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور علم و حلم میں اپنی نظیر آپ تھے۔ آپ کی ذات بابرکات میں جمالیت اور جلالیت دونوں پہلو موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ہدایت خلق، تبلیغ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکامات اور پیغامات رسول مقبول سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے آپ ایک واعظ اور پُر تاثیر متکلم بھی تھے۔

آپ کس سن میں پیدا ہوئے کب لاہور تشریف لائے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی کیا تھا۔ آپ نے کس مقام پر تعلیم و تربیت حاصل کی، آپ کے استاد، پیر و مُرشد کا اسم گرامی کیا تھا۔ اس بارے میں سب سوانح نگار اور مورخین مکمل طور پر خاموش ہیں۔ بعض مورخ اور تذکرہ نگار آپ کو سید اسحاق گازرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ کا ہم عہد اور ہم مجلس اور بھائی ظاہر کرتے ہیں۔ مگر اس قول کی تصدیق ابھی تک کسی معتبر ذریعہ سے نہیں ہو سکی۔ پیر غلام دستگیر نامی "بزرگان لاہور" میں بحوالہ رسالہ تحفتہ الواصلین تحریر کرتے ہیں کہ آپ حضرت میراں بادشاہ سید اسحاق گازرونی رح مدفون اندرون مسجد وزیر خاں کے ہمعصر تھے اسی بات سے لوگ کہتے ہیں کہ ان کے بھائی تھے۔ بہرحال آپ کے شخصی حالات بہت کم یاب ہیں۔

۲۔ خوارق و کرامات حضرت سید صوف لاہوری رح

حضرت سید صوف رح کی کرامات حد شمار سے باہر ہیں آپ کے عقیدت مند بکثرت تھے مگر افسوس ان عقیدت مندوں کے نام اور جائے سکونت تاریخ کے اوراق ہمیں آگاہ نہیں کرتے۔ کیونکہ مغلوں[۲] کا دور ایک خطرناک اور تاریک ترین دور تھا۔ جس میں کسی عظیم یا روحانی شخصیت کے کارناموں کا باقاعدہ اور صحیح ریکارڈ مشکل سے دستیاب ہے۔ خاص کر ان اکابر دین کا جو اس عہد میں تشریف لائے جبکہ یہاں بے چینی اور بدامنی تھی۔ کافروں اور ملحدوں کا بھی

---

[۱] ص ۲۲۱ [۲] تاتاری، منگول یا مغل شمالی پنجاب کے سرحدی علاقوں میں سکونت رکھتے تھے۔ لوٹ مار، قتل و غارت ان کا پیشہ تھا۔ دولت کے بہت حریص تھے۔

غلبہ تھا۔ اب ان کے حالاتِ زندگی ان کے علمی کارنامے ان کی روحانی فتوحات اور اس کے گرد و پیش کے حالات و واقعات ایک معمہ بن گئے ہیں اور مصادر و ماخذ کی کمیابی کے باعث تصوف پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور تنقید و جرح کے تازیانے برسائے جا رہے ہیں۔ آپ کی کرامات کے بارے بہت سی روایات بیان کی جاتی ہیں لیکن بوجہ خوف طوالت صرف آپ کی چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

سکھوں کے عہد میں آپ کے مزار کے نزدیک اور چوک وزیر خاں کے گرد و نواح میں اکثر لوگوں نے نئے مکانات تعمیر کرائے تھے جس کی وجہ سے خانقاہ حضرت سید صوف رح اور مسجد وزیر خاں کی نمائش و خوبصورتی میں رکاوٹیں پیش آنے لگیں۔ اس بنا پر ۱۸۵۰ء میں چوک وزیر خاں کے اندرونی مکانات سرکاری حکم سے گرا دیئے گئے اور چوک کو پھر ایک وسیع میدان بنا دیا گیا۔ ان دنوں ضلع لاہور کا ڈپٹی کمشنر میجر میکر یگر تھا جو مزار حضرت سید صوف رح کو چوک کے خوبصورت ہونے میں ایک دھبہ اور رکاوٹ خیال کرتا تھا اور اسے منہدم کرانا چاہا۔ بقول بعض بزرگانِ شہر لاہور ڈپٹی کمشنر خود ہی اتنا ہیبت زدہ ہوا کہ اس نے اس ناپاک ارادہ کو ترک کر دیا اور حضرت سید صوف رح کا مزار گرنے سے بچ گیا۔

مفتی غلام سرور لاہوری "حدیقۃ الاولیاء" میں رقم طراز ہیں۔ "اکثر یہ بات مشہور ہے کہ کوئی شخص چالیس روز برابر اس مزار پر آنے نہیں پایا سوائے اس شخص کے کہ اس کے دل کی مراد کا حاصل ہونا تقدیر ربانی میں ہو اور جو شخص محروم ازلی ہوتا ہے اس کو چلّے کے اندر ہی ایسی دہشت دکھائی دیتی ہے کہ پھر وہ اس مزار پر نہیں جاتا۔"[1]

بلا تردید یہ بات بیان کی جا سکتی ہے کہ صوفیائے عظام جس طرح زندگی میں لوگوں کو اپنے علمی روحانی فیوض و برکات سے مستفید کرتے رہتے ہیں اسی طرح ان کی رحلت کے بعد بھی ان کا فیض جاری و ساری رہتا ہے اور یہ فیض روحانی طور پر پہنچتا ہے۔ مزار حضرت سید صوف رح نہایت پُرفیض و بارعب ہے۔ نسبت کی تیزی، جذب کا غلبہ اور جلالیت مزار پر واضح طور پر نمایاں ہے۔

---

[1] ص ۶۴

وصال حضرت سیّد صوف لاہوریؒ

تاتاری، منگول، مغل شمالی سرحد ہندوستان عبور کرکے پنجاب میں آکر لوٹ مار کیا کرتے تھے اور ان کی لوٹ مار و غارت گری کا سلسلہ صدیوں سے چلا آتا تھا۔ کبھی مغلوں کے حملوں کی مصیبت قطعی طور پر ختم ہوجاتی اور مکمل طور پر امن و امان قائم ہوجاتا اور ان علاقوں کے کاشتکار جو مغلوں کی آمد کے راستوں پر واقع تھے اطمینان خاطر کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق زراعت کے کام میں مشغول ہوجاتے۔ کبھی تباہ و برباد ہوجاتے۔ ان لوگوں کا زور زیادہ تر لاہور اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر ہوتا تھا کیونکہ یہ شہر دولتمند ہونے کے علاوہ اور دیپال پور جاتے ہوئے ان لوگوں کے راہ میں پڑتا تھا اور تغلق دَور میں علاقہ دیپال پور کو بہت اہمیت تھی۔ جب دیپال پور کے لوگ ان ظالم حملہ آوروں کی خبر سنتے تو جنگلوں میں جا چھپتے تھے لیکن پھر بھی جو کوئی وہاں نظر آتا اُسے قتل کردیتے تھے، مکانوں کو لوٹ کر نذر آتش کردیتے تھے۔ یہ ایک طوفان برپا زمانہ تھا جس میں منگولوں کے درندہ صفت لشکروں نے آگ اور خون کے ہولناک مناظر پیش کیے اور تہذیب و تمدنؑ کے صدیوں پُرانے مینار لڑکھڑا کر گر پڑے۔

فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں دو ارباب قلم نے تاریخیں لکھی ہیں جو تاریخ فیروز شاہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ضیاءالدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی اور اس کا دوسرا نام سیرۃ السلاطین بھی ہے شمس الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی جو بہ تذکرہ عفیف شاہی کے نام سے بھی معروف ہے۔ دونوں مصنفین مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔ البتہ ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی میں یوں رقمطراز ہیں [۱]

(ترجمہ) سُلطان تغلق شاہ جو اس زمانے میں غازی ملک کہلاتا تھا کی شہرت تمام خراسان اور ہندوستان اور اس کے باہر مُلکوں میں پھیل گئی۔ قطب الدین کی حکومت کے آخر تک اس نے دیپال پور اور لاہور کے علاقوں میں مغلوں کی آمد کا قدیم سلسلہ اسی طرح بند کردیا جیسا کہ زمانہ قدیم میں نصیر خاں نے کردیا تھا۔ ہر سال وہ اپنے لشکر خاص کے ساتھ دیپال پور سے روانہ ہوتا اور مغلوں کی سرحد تک چلا جاتا۔

---

[۱] ص ۴۲۲

وہ کھلم کھلا مغلوں کو مقابلے کے لئے بلاتا لیکن مغلوں کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اپنی سرحد پر گشت کے لئے بھی آتے۔ حال یہ ہوگیا تھا کہ کسی کے دل میں بھی مغلوں کی طرف کوئی تشویش باقی نہ رہی اور ان کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آتا تھا مزید بیان کرتے ہیں کہ سلطان علاء الدین نے مغلوں کا مکمل طور پر استیصال کر دیا اور ان کے حملوں کا سلسلہ بند ہوگیا تھا۔ فرجی اور عام زندگی کی ضروریات کی اشیاء کے ارزاں ہو جانے سے لشکر مستحکم ہوگیا۔"

سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں مغلوں نے پھر لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا جو کچھ ہاتھ لگتا لوٹ کرلے جاتے۔ اس فتنہ و فساد اور غارت گری کے اثرات سندھ اور اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر بھی پڑے جو بلوہ کی صورت میں رونما ہوئے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق نے اپنی بہادر اور دلیر افواج کی مدد و تعاون سے اس آفت پر جلد قابو پا لیا۔ مغلوں اور مفسدوں کے فتنے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور امن و امان بحال ہوگیا۔

سلطان نے چند روز کے لئے دیپال پور میں قیام کیا۔ اس قیام کے دوران خداوند عالم حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے اجودھن[1] گئے۔ شمس الدین عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہیں[3]

(ترجمہ) "بادشاہ بغیر زیارت بزرگان و حاضری مزارات کبھی سفر نہیں کیا پیروں اور خانقاہوں سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا اور پیر پرست تھا۔"

اس بیان کے علاوہ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں بیان کرتے ہیں[4]

(ترجمہ) "اس بزرگ خانوادہ (بابا فرید گنج شکر کی اولاد امجادؒ) جو کلیتہً ابتر اور پریشان ہوگیا تھا۔ اس کو از سر نو منتظم و درست کر دیا۔ اور شیخ علاء الدینؒ کے پوتوں کو خلعت و انعامات عطا فرمائے اور زمینیں اور گاؤں املاک کے طور پر ان کے حق میں مسلم کر دیں۔ اجودھن کے باشندوں کو صدقات عطا کئے اور جن لوگوں کے متعلق اس نے سنا تھا کہ ان کو نان یا وظیفہ ملتا تھا اس کی تجدید کر دی۔ دیپال پور کے مشہور شہر سے دہلی تک ان تمام قصبات میں جو اس جانب واقع تھے لوگوں سے

---

[1] دیکھیں حالات صـ ۱۱۹ [2] دیکھیں حالات صـ ۱۱۱ [3] تاریخ فیروز شاہی از شمس الدین عفیف صـ ۱۴۱
[4] صـ ۵۶۷

عق بین وظائف ادرارات کے فرمان جاری کئے اور ہر قصبے میں فقراء و مساکین کو نقدی کی شکل میں صدقات ان کے علاوہ عنایت کئے۔ سطور بالا کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سلطان فیروز شاہ مشفق و مہربان، حق شناس و وفادار اور دین اسلام میں پاکیزہ عقیدہ رکھتا تھا۔ اکابر دین اور ان کے خاندان کی عزت و حرمت کرتا تھا۔ رعایا کی خوشحالی، فارغ البالی اور آسودگی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا تھا۔ اس کا اصول یہ تھا کہ کثرت محاصل ترقی دولت کا سبب نہیں بلکہ رعایا پروری، باشندگان ملک کی خوشنودی و خوشحالی ترقی و دولت کی بنیاد ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت میں شہر دیپال پور کو بہت شہرت اور اہمیت تھی، سلطان نے چند روز دیپال پور میں قیام کیا۔ پھر صدر مقام دہلی کی جانب روانہ ہوئے۔ اس کے خلاف لاہور کی جانب کوئی توجہ نہ تھی بلکہ ایک دور افتادہ اور پس ماندہ شہر متصور ہوتا تھا اور پھر دہلی دارالخلافہ ہو جانے سے لاہور کی رونق ماند پڑ گئی۔

اہل لاہور ہمیشہ مغلوں کے حملہ سے ہراساں رہتے تھے۔ جب کبھی انکی آمد کے بارے میں کوئی خبر پاتے تو ان کے جگر کانپنے لگ جاتے تھے۔ کون جانتا ہے کہ اس ہول میں کون زندہ رہے گا یا نہیں رہے گا۔ لوگ حتمی طور پر بد دل اور مایوس ہو چکے تھے مگر اس دور میں علماء فضلا صلحا، اہل دل، اہل درد، اہل قلم اور اہل سیف بھی تھے۔ جب مسلمانوں پہ کوئی آفت نازل ہوتی نظر آتی تو شامل جہاد ہو جاتے تھے۔ دین اسلام کی حرمت اور مسلمانوں کے جان و مال اور آبرو بچانے کا وقت آتا تو اپنا خون بہانے کے لئے تیار ہو جاتے اور جہاد بالسیف سے کبھی دریغ نہ کرتے۔

حضرت سید صوف لاہوریؒ اس خطرناک موقع پر جس نے بلوہ کی صورت اختیار کر لی تھی حق کی خاطر جام شہادت نوش فرمایا اور راہ خدا میں شہید ہوئے یہ اسلام کا آفتاب جہاں تاب جو بستی لاہور میں تاباں تھا۔ جس کی سعی جمیلہ سے علمی و روحانی اور اسلامی تحریکات کا بھی آغاز ہوا تھا اور علمی و دینی مراکز بھی وجود میں آئے تھے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ مگر پیچھے سرمایہ کا وہ سرچشمہ چھوڑ گئے جس سے ہماری نسلیں سیراب ہوتی ہیں اور یہ چشمۂ فیض آج بھی جاری و ساری ہے اور فیوض و برکات سے اہل اسلام کو مالا مال کر رہا ہے۔

مگر افسوس تاریخ کے اوراق ان واقعات کو محفوظ و مامون نہیں کر سکے۔ اب صرف چند یادداشتیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے علمی اور دینی مراکز جو موجودہ چوک وزیر خان اور اس کے گرد و نواح میں قائم ہوئے تھے ان کی نگہداشت کرتے رہے اور ان کو فروغ دیا۔

۲۔ تاریخِ وفات

معروف و مقبول قول کے مطابق آپ نے ۸۶۰ھ میں شہادت پائی۔ اور مزار کے موجودہ کتبہ پر بھی یہی تاریخِ وفات لکھی ہوئی ہے۔ حضرت سید صوف لاہوریؒ کی تاریخ وفات کی طرح تاریخِ ولادت بھی ٹھیک سے معلوم نہیں ہے۔ اس ضمن میں تذکرہ نویسوں کے بیانات اس قدر مختلف اور متضاد ہیں کہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا محال ہے مذکورہ تاریخ وفات کیسے متعین ہوئی۔ مصادر و ماخذ کی کمی کے باعث اس سوال کا جواب معلوم کرنا مشکل ہے۔ کچھ مستند ماخذ مل جانے سے یہ الجھن بھی رفع ہو سکتی ہے۔

سب سے قدیم تذکرہ "نفحات الانس" مرتبہ نور الدین جامیؒ کا ہے جو ۸۸۳ھ/۱۴۷۸ء میں مکمل ہوا۔ پھر مشہور و معروف تذکرہ "رشحات عین الحیات" جسے ملا حسین واعظ کاشفیؒ سولہ سال گزرنے کے بعد ۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء میں از سرِ نو دوبارہ ترتیب دیا آپ کے بارے میں مکمل خاموش ہیں، گلزار ابرار، تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ، تاریخ فیروز شاہی، آئین اکبری (۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء) اور اس کے ۵ سال بعد مرتب ہونے والا تذکرہ ثمرات القدس مولفہ لعل بیگ بخشی، عبدالحق محدث دہلی رح کی اخبار الاخیار پھر شہزادہ داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء جس میں اس نے بزرگانِ دین کے حالات، پیدائش، تعلیم و تربیت آداب و طریقت اور وفات کی تاریخیں درج کرنے کا بڑا اہتمام رکھا ہے۔ اس ضمن میں سب نے سکوت اختیار کیا ہے اور آپ کی تاریخِ پیدائش، وفات اور خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بارے کوئی نشاندہی نہیں ہوتی۔ البتہ ثمرات القدس مولفہ لعل بیگ بخشی میں حضرت سید اسحاق گازرونی رح لاہوری کا ذکر اور گرد و نواح کے علاقہ کے حالات ملتے ہیں مگر افسوس ہے کہ یہ تذکرہ ابھی تک حکومت ایران طبع نہ کر سکی، معارج الولایت جو عبداللہ خویشگی قصوری کی تصنیف ہے جس میں تقریباً

چار سو چھپن (۴۵۶) پاک و ہند کے مشائخ کے حالات درج ہیں اور سن ۱۰۹۶ھ/۱۶۸۴ء میں مکمل ہوئی۔ اس قلمی نسخہ کے اوراق حضرت سید اسحاق گازرونی لاہوریؒ اور حضرت سید صوف لاہوریؒ کے حالات و واقعات سے نا آشنا ہیں الغرض جب تک کوئی ٹھوس ثبوت دستیاب نہیں ہوتا تب تک حضرت سید صوف لاہوریؒ کی تاریخ ولادت، وطن اور وفات کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔

متاخر تذکرہ نویس مفتی غلام سرور لاہوریؒ کی تالیف حدیقۃ الاولیاء جس میں پنجاب بالخصوص لاہور کے صوفیائے کرام کے حالات شامل کیے ہیں ان میں لکھا ہے سلہ "اس بزرگ کا مزار خاص لاہور میں میدان چوک رو برو دروازہ مسجد وزیر خان ہے مکان نہایت پُر فیض و بارعب ہے۔ پہلے حضرت کے مرقد مقدس چار دیواری کے اندر تھے۔ اب محمد سلطان ٹھیکیدار نے اس پر خوبصورت گنبد بنوایا ہے۔ مزید تحریر کرتے ہیں اگرچہ درست احوال اس بزرگ کے ثابت نہیں ہوتے کہ یہ حضرت کب اور کس زمانے میں آئے مگر "رسالہ تحفۃ الواصلین" سے اتنا پایا جاتا ہے کہ یہ بزرگ ہمعصر حضرت میراں بادشاہ کا تھا" اگر ان بیانات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو آپ کی ولادت و وفات آٹھویں صدی ہجری میں ہوئی ہوگی اور یہ امر مسلمہ ہے کہ آپ فارس سیاسی بدامنی کے باعث بددل ہو کر نوجوانی کے عالم میں وہاں سے نکلے ہوں گے۔ اور فیروز شاہ تغلق کے پُرامن دور میں حضرت سید اسحاق گازرونیؒ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے ہوں گے۔

مزار حضرت سید صوف لاہوریؒ

آپ کا مزار چوک وزیر خان کے شمال مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔ مرقد مقدس کے باہر احاطہ مزار میں 'برنے' کا وہ درخت بھی اب تک موجود ہے جس کا حوالہ مولوی نور احمد چشتی نے ۱۸۶۴ء میں اپنی کتاب تحقیقاتِ چشتی میں دیا تھا۔ 'برنے' کے ساتھ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جس میں مجاور کی رہائش تھی اس مقام پر اب ایک کھلا برآمدہ تعمیر ہے اس برآمدہ کے پاس ہی ایک چھوٹا صحن ہے جس کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ احاطہ مزار ایک چھوٹے سے جنگلہ سے گھرا ہوا ہے۔ احاطہ مزار کے باہر لیکن ملحق ایک کنواں غسل خانہ اور سقاوہ بھی تھا۔ سلہ

سلہ ص ۲۴۹ سلہ دیکھیں حالات ۱۱۰

جاری تھا مگر اب کنواں سقادہ وغیرہ قائم نہیں۔ کنواں کی بجائے کارپوریشن کے نل سے پانی لیا جاتا ہے۔ رائے بہادر کنہیا لال تاریخ لاہور میں بیان کرتے ہیں "چاہ و مسجد خرد و فقیر کے رہنے کا ایک حجرہ بنا ہوا تھا۔ سکھوں کے وقت لوگوں کی آمد و رفت اس مزار پر بھی ہوتی تھی"[1] رائے بہادر کنہیا لال کے مذکورہ بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس مقام پہ ایک قدیم مسجد خرد بھی تھی جس کا اب بالکل نشان نہیں "تحقیقات چشتی" کے حوالہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۶۱ء سے پہلے مزار پر گنبد نہیں تھا۔ ابتدا میں آپ کی قبر خام اور ایک چبوترے پر بنی ہوئی تھی اور اس کے گرد چار دیواری تھی۔ بعد ازاں شیخ محمد سلطان ٹھیکیدار مرحوم نے ۱۲۶۸ھ / ۱۸۶۲ء میں گنبد تعمیر کروایا اور احاطہ مقبرہ کی تعمیر از سر نو ہوئی۔ اس گنبد کی تعمیر سے مزار کی رونق بڑھ گئی اور چوک کی زینت دوچند ہو گئی۔

اس مزار کے جانب جنوب ایک سِل سنگ مرمر کی نصب ہے جس میں یہ عبارت بخطِ نسخ سیاہی کے حرفوں سے کندہ ہے "بصوابدید صاحب عالی مناقب میجر جارج میکر یگر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور مقبرہ متبرکہ حضرت سید موصوف[3] قدس سرہ تعمیر کردہ شیخ سلطان ٹھیکیدار سرکار فیض آثار کمپنی انگریز بہادر دام اقبالہ بسن ۱۸۶۲ء باتمام رسید سن ۱۲۶۸ھ سمت ۱۹۱۸۔" اب نئی تعمیرات کے باعث یہ سنگ مرمر کی سِل نظر نہیں آتی۔

مزار اقدس کا دروازہ جنوب کی جانب ہے اور اس کے اوپر سنگ مرمر کی تختی پہ یہ تحریر ثبت ہے :-

---

[1] ص ۱۶۹ [2] ص ۱۰۰۸ [3] آپ کا اسم گرامی سید صوف ہے مگر یہ مقبرہ حضرت سید سید صوف کے نام سے معروف ہے مگر بعض تذکروں میں آپ کا نام حضرت سید موصوف بھی پایا جاتا ہے۔ درست اسم گرامی سید صوف ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

"روضہ اقدس سلطان العارفین زبدۃ الکاملین منظور بارگاہ ایزد حضرت سیّد سید صوف فیض بخش عظیم انوار اللہ مرقدہٗ در عہد بادشاہ ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق"

اس عبارت کے علاوہ حضرت کے لوح مزار پر درج ذیل عبارت کے ساتھ یہ اشعار بھی لکھے ہوئے ہیں۔

"شیخ المشائخ حضرت پیر سخی سیّد سید صوف فیض بخش
رحمۃ اللہ علیہ الحسنی سہروردی سنہ وصال ۷۸۶ھ"

اشعار

کس دلِ زندہ کی ہے یہ تربت عظمت نشان
خاک جس کی چومنے کو جھک رہا ہے آسمان
فیض بخش گنجِ وحدت مرشدِ فرخ جبیں
صوفیٔ صافی نہاد و رہبر دنیا و دین
غازۂ روئے شہادت زینت قوم و وطن
سرفروش و غازی و تنہا دکش مرحب فگن
سرخرو ہو کر جہاد فی سبیل اللہ سے
مردِ مومن سے رہا ہے خواب شیریں کے مزے

مذکورہ بالا عبارت اور اشعار سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ آپ سادات عظام سے ہیں اور حسنی سیّد ہیں آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام حسن رضؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ سلسلہ سہروردیہ سے منسلک تھے اور اس سلسلہ کو فروغ دیا۔ ۷۸۶ھ میں شہادت پائی یہ عہد سلطان فیروز شاہ تغلق کا تھا۔

آپ کے مزار اقدس پر میاں محمد سلطان ٹھیکیدار جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے ایک خوشنما گنبد تعمیر کروایا اور قبر کا تعویذ نیا لگوایا۔ بزم صوفیہ حضرت سیّد سید صوف کے بعض اراکین بیان کرتے ہیں کہ نئے تعویذ کی عبارت وہی ہے جو قدیم تعویذ پر تھی۔ صرف

چند اشعار کا اضافہ تصور کیا جاتا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت[1] سید صوفؒ کا مزار صدیوں سے مرجع خلائق ہے۔ چندر بھان برہمن "چہار چمن" میں بیان کرتے ہیں کہ یہ مقام پُر رونق اور تجارت کا اہم مرکز تھا۔ جمعہ کے روز یہاں لوگوں کا بے پناہ ہجوم نظر آتا تھا۔ عوام میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ سکھی عہد میں ایک رسم تھی کہ رات کے میلہ میں سکھ، ہندو اور مسلمان کثرت سے شریک ہوتے تھے اور اس چوک کے میدان میں آتشبازی چھوڑا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دور دور سے ماہر آتشباز بھی حاضری دیتے تھے اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عزت واحترام اور فضیلت کی دستار پاتے پھر رخصت کئے جاتے تھے مگر آجکل یہ رسم نہیں ہے۔

عقیدت مندوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے مزار پر حاضری دیتی ہے۔ آپ کا عرس اور میلہ سال میں ایک مرتبہ ہوتا ہے۔ عرس مبارک کی تاریخ ۱۶-۱۷ ماہ رجب المرجب مقرر ہے۔ روضہ مبارک پر قرآن پاک کی تلاوت، نعت خوانی اور درود و سلام پیش کیا جاتا ہے۔ دربار کے اندر باہر اور گنبد پر رنگین بلبوں سے روشنی کی جاتی ہے اور دربار بقعۂ نور بنا ہوتا ہے اور مقبرہ کا اندرونی حصہ زیبائش و آرائش سے مزین ہوتا ہے۔

ہر زمانے میں اس مزار میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ اب یہ مزار محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ آجکل محکمہ اوقاف کے تعاون اور مخیر حضرات کی اعانت سے مزار کی توسیع اور آرائش کا سلسلہ شروع ہے ان تعمیرات کے بعد آپ کا مزار مبارک گذشتہ ایام سے بالکل مختلف دکھائی دے گا۔

عوام میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ حضرت پیر بلخیؒ[2] آپ کے ہم عصر تھے۔ مگر یہ قول غیر صحیح ہے آپ کا اسم گرامی حسن تھا اور کنیت ابوالمحامد۔ والد بزرگوار کا نام محمد الحسین ابوبکر تھا۔ آپ ۵۹۸ھ/۱۲۰۱ء میں لاہور تشریف لائے اور یہاں ۶۲۲ھ/۱۲۲۵ء میں شہید ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ شمالی سرحد کے لٹیروں نے لوٹ مار اور زر و دولت کی ہوس میں لاہور پر حملہ کیا تھا اور آپ بھی ان کے خلاف لشکر اسلام میں شامل تھے۔ اور جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کا مقبرہ دہلی دروازہ سے سنہری مسجد کو جاتے ہوئے راستے میں کشمیری بازار میں بائیں جانب آتا ہے۔

---

[1] قلمی نسخہ ۴۰/۱ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور) [2] حدیقۃ الاولیاء ص ۱۶۸

لاہور کے عجائب گھر میں ایک عربی کتبہ موجود ہے جس پر کوفی و نسخی خط میں لکھا ہے۔ جس میں آپ کی تاریخ وفات یوں درج ہے:۔

"ہذا مقبرۃ الشہید الشیخ ابو الحامد الحسن ابن محمد الحسین ابو بکر الذکری البلخی رحمۃ اللہ علیہ وقد عاش ثمانیہ وتسعین (۹۸) سنۃ وفات فی یوم الجمعۃ التاسع من ذی الحجہ وہی یوم عرفہ من ثلثۃ واربعین وستمائۃ"

(ترجمہ) یہ مقبرہ شیخ ابو الحامد الحسن بن محمد الحسین ابو بکر الذکری البلخیؒ کا ہے تحقیق وہ سن ۵۹۸ھ (۹۸ فی الاصل) میں زندہ تھے اور ۶۴۳ھ میں جمعہ کے دن ۹ ذالحجہ کو جو عرفہ کا دن تھا شہید ہوئے۔

سن ۶۳۹ھ / دسمبر ۱۲۴۱ء مغلوں کے سپہ سالار طائر کے لشکر کے ہاتھوں شہر لاہور اس طرح تباہ و برباد ہوا کہ نہ تو کوئی ذی نفس زندہ بچا اور نہ کوئی عمارت محفوظ رہی شہر کو بھی نذر آتش کیا گیا اس واقعہ کے بیس سال بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے اس ویرانے شہر کو زر کثیر صرف کر کے دوبارہ آباد کیا۔[۱]

مذکورہ بیان سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضرت سید بلخیؒ حضرت سید صوف لاہوریؒ کے ہمعصر نہیں کیونکہ حضرت سید صوفؒ لاہوری نے آٹھویں صدی ہجری میں شہادت پائی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ آپ کے عرس کی ابتداء کس نے کی اور کب ہوئی لیکن آپ کا عرس صدیوں سے منایا جا رہا ہے۔ سکون قلب کے ساتھ عقیدت مندوں کی ایک کثیر تعداد آپ کی درگاہ عالیہ پر حاضری دیتی ہے۔

تصوف کے اس انقلاب انگیز فکری و علمی اور روحانی تحریک کو لاہور میں پھیلانے اور عام کرنے میں سب سے زیادہ حصہ ان بزرگانِ طریقت کا ہے۔ جنہوں نے ایک ایسے دور میں اشاعت دین اسلام کو فروغ دیا جبکہ شمالی ہند (خطہ شمالی پنجاب) بیرونی حملوں کی یلغار کا بہت بڑا ہدف بنا ہوا تھا اور ہر طرف ہوا و ہوس کے جذبات خاص کر مغلوں کے عام تھے۔ اس پر آشوب دور میں ان صوفیائے کرام کی خدمات بڑی مفید، کارآمد اور دور رس اثرات و نتائج کی حامل ثابت ہوئیں ان بزرگان دین

[۱] مآثر لاہور جزو اول ص ۱۹۲، ۱۹۵ تا ۲۰۱

کا کام صرف بندگانِ خدا کی اصلاح تک ہی محدود نہ تھا بلکہ وہ دوگونہ فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ ایک طرف روحانی محاذ پر اپنے علمی و عملی فیضان سے سیراب کیا اور دوسری جانب جہاں مسلمان کمزور اور مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے تھے وہاں خود جہاد فی سبیل اللہ کی رسم و راہِ پیغمبری کو از سرِ نو زندہ کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت سید صوف ؒ لاہوری کا کردار قابلِ ستائش ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ اس زمانہ کے بزرگوں کے حالات آجکل نایاب ہیں۔ صرف تذکرہ ثمرات القدس جو عہدِ اکبر بادشاہ کی تالیف ہے، کے مطالعہ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا حصہ ایک میدانِ کارزار تھا جس میں بہت سے بزرگوں، علماء، صلحاء اور شہداء کے مقبرے اور قبریں تھیں جو زمانہ کے ساتھ تباہ و برباد ہوتی گئیں۔ راقم کی تحقیق کے مطابق موجودہ چوک وزیر خاں اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ ایک اہم روحانی و علمی اور دینی مرکز تھا اور ان ہی بوریہ نشینوں نے اشاعتِ علم دین کے لئے درس جاری کئے۔ تعلیم مفت دی اور ان ہی درس گاہوں سے پھر بڑے بڑے فلسفی، علامہ، منطقی، فقیہہ، محدث، شاعر اور حریت نواز حق گو اہلِ علم پیدا ہوئے جو فخر البلاد بنے اور علم و ہنر کی جو مشعلیں روشن کیں۔ ان سے قوم کے بجھے ہوئے چراغ صدیوں تک روشنی حاصل کرتے رہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ یہ سارا علاقہ "گذر رڑہ" کے نام سے مشہور تھا اور اسی نام سے خاص کر مغل حکمرانوں کے عہدِ حکومت میں شہرت پائی۔

۶۔ خانقاہ حضرت سید صوف ؒ اور سید فضل شاہ مجذوب ؒ

مقبرہ حضرت سید صوف ؒ کے جانبِ شمال ایک چاہ نظر آتا ہے جس کو راجہ دینا ناتھ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس چاہ پر ایک پہاڑی نما گنبد تعمیر ہے جو اب تک قائم ہے۔ اس گنبد کا رنگ سفید، ہشت پہلو، چاروں اطراف چار در محرابی ہیں۔ اس گنبد کی حالت آجکل بہت خستہ و شکستہ ہے اور قابلِ مرمت ہے۔ چاہ اور اس کے تین محرابی در بالکل بند کر دیئے گئے ہیں۔ گنبد چمگادڑوں اور زمین مکینوں اور غریبوں کا مسکن ہے۔ دیوارِ چاہ میں ایک سل سنگ مرمر کی نصب ہے اس میں ذیل عبارت تحریر ہے۔

"عمارت و ایالت دست گاہ خیر اندیش دولتِ عالیہ دیانت دار مشیر خاص مدار المہام راجہ دینا ناتھ، راجہ کلانور بصوابدید صاحب عالی مناقب میجر جارج میکگر صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع لاہور بناری عمارت چاہ بزا در سمت ۱۹۰۸ مطابق ۱۸۵۱ء بصرف بزر خود نمود" ہے۔

احاطہ چوک وزیر خاں کے جانب شمال حویلی راجہ دینا ناتھ[1] واقع ہے جو ایک پرانی تاریخی عہد سکھی کی یادگار ہے اس کے پاس درگاہ حضرت سید صوف کے نزدیک ایک مجذوب جن کا نام سید فضل شاہ[2] تھا نے سکونت اختیار کر لی اور اخذ فیض ہوئے۔ آپ علاوہ علوم شرعیہ کے قرآن شریف بھی بہت عمدہ جانتے تھے اور خوشنویس بھی تھے۔ لوگوں نے باتفاق رائے سے آپ کو "محلہ[3] تائیں کنوئیں" کی مسجد کا امام مقرر کر دیا۔ ایک روز آپ مسجد میں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ سجدہ میں بہت دیر تک رہے اور تہبند اٹھا کر سر پر اوڑھ لیا۔ مقتدی یہ حال دیکھ کر حیران ہو گئے اور آپ نے اسی روز تمام علائق و عوائق دنیوی منقطع کر دیئے اور آزادانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ شریعت کا پاس اٹھا گیا۔ ستر پوشش کی قید بھی جاتی رہی۔ اور برہنہ مادر زاد پھرنے لگے۔ پھر آپ کا یہ وطیرہ ہو گیا کہ برہنہ بازاروں میں پھرتے اور شام کو لوہاری منڈی میں لوہیڑ والی مسجد کے سامنے ایک دکان کے چبوترے پر بیٹھ جاتے پھر اس نشست کو بھی ترک کر کے ہمیشہ کے لئے چوک وزیر خاں نزد درگاہ حضرت سید صوف رح میں تشریف لے آئے اور ہمیشہ کے لئے اقامت پذیر ہو گئے۔

راجہ دینا ناتھ ایک بڑے باخدا، صلح کل اور فیاض آدمی تھے۔ فقرا سے بہت محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔ ابتدا میں ایک چھوٹے سے عہدہ پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں ملازم تھے۔ ایک روز راجہ نے شاہ صاحب رح کی خدمت میں ترقی منصب کے لئے التماس کی۔ آپ نے ایک "مونڈھا" جو گنے کے چھلکے سے بنایا جاتا ہے اٹھا کر راجہ کے سر پر رکھ دیا۔ راجہ کو اسی روز دربار سے خلعت اور منصب دیوانی عطا ہوا اور مقرب بارگاہ سلطانی ہوئے۔ راجہ کی اس خوش اعتقادی کو دیکھ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور دیگر ارکان دولت مثلاً نواب شیخ امام الدین صوبہ دار کشمیر، فقیر عزیز الدین و فقیر نور الدین خاص کر اور وزراء دربار راجہ تیجا سنگھ

---

[1] دیکھیں حالات ۱۱۰ [2] دیکھیں حالات ۱۱۱ [3] اس محلہ کا آجکل موجودہ شاہ عالمی دروازہ اور لوہاری دروازہ کے درمیانی حصہ تعین کیا جاتا ہے۔

کمانڈر انچیف (commander-in-chief) سردار لال سنگھ صاحب تو شیخانیہ اور دیگر امراء کی توجہ اس جانب ہو گئی اور خانقاہ حضرت سید صوف رح ایک روحانی مرکز بن گیا اور جب تک سید فضل شاہ صاحب رح زندہ رہے۔ راجہ دینا ناتھ و دیگر امراء نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ دونوں وقت کا کھانا اور ماہواری رسد وملبوسات و زرنقد سے تواضع کرتے رہے۔ راجہ صاحب کا یہاں تک اعتقاد تھا کہ تین قوالوں کی ایک چوکی مقرر کر رکھی تھی جو ہر روز علی الصباح شاہ صاحب رح کو گانا سنایا کرتے تھے اور ایک منشی ملک جیون نام کا مقرر کر رکھا تھا جو شاہ صاحب رح کے روزانہ حالات وارشادات روزنامچہ میں درج کر کے تمام کو راجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ان سب کی تنخواہ راجہ صاحب کے خزانہ سے ملتی تھی۔ میاں جیون قوم ملک اور شہر جالندھر کا باشندہ تھا۔ اس کے علاوہ میاں مقیم لوہار جس کی رہائش چوک وزیر خاں میں تھی آپ کا خدمت گار تھا، یہ سب حضرت سید صوف رح کے فیضان کا اثر تھا جن کی بدولت سید فضل شاہ صاحب مست سرشار اور صاحب جذب ہوئے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مجذوبانِ واصل اور مجذوبانِ سکاری میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ پابندِ شریعت ہوتے ہیں اور سکر کی حالت میں رہتے ہیں مگر فیض باطنی دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ مجذوبانِ واصل کا فیض مرید کو سالک رکھتا ہے اور سکاری کا فیض مرید کو سکاری بنا دیتا ہے اور خوراق وکرامات بھی دونوں سے ظہور میں آتے ہیں۔ بہر حال دونوں گروہوں کا رتبہ نہایت ہی جلیل القدر ہے۔

درگاہ حضرت سید صوف رح پر ہزاروں طالبان ہدایت کاسہ گدائی لیئے دریوزہ گری کر رہے ہیں اور نور علم ومعرفت سے اپنے کشکول بھرپور کر کے واپس جا رہے ہیں لیکن اس درس گاہ سے کوئی شخص تشنہ کام واپس نہیں لوٹا۔ مگر ان میں بعض شخصیات ایسی ہیں جن پر آپ کی نظرِ عنایت ہوئی اور وہ کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ لیکن بوجہ خوف طوالت ان کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔ دورِ حاضرہ کے ایک اہم بزرگ صوفی دین محمد رح قابلِ ذکر ہیں۔ جنہوں نے آپ کے آستانہ عالیہ پہ قیام کیا اور فیضیاب ہوئے۔ آپ خلیفہ مظفر علی خاں رح کے مرید تھے اور سلسلہ نقشبندیہ توکلیہ سے

لہ اسرار التصوف ص ۴۸، لالہ کنہیا لال "تاریخ لاہور" ص (۲۴۱) میں ملک جیون کی بجائے جیون داس منشی لکھا ہے۔ جو غیر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور تصدیق نہیں ہو سکی۔

منسلک تھے۔ عابد، زاہد، متقی اور پرہیز گار تھے۔ یہ دونوں بزرگ اب اس دنیا سے انتقال کر چکے ہیں۔

دورِ حاضرہ کی سب سے بڑی حرماں نصیبی یہ ہے کہ ذوقِ روحانیت ناپید ہوتا جا رہا ہے اور جب تک انسان میں روحانی اقدار کی طالب و جستجو پیدا نہیں ہو گی وہ مادہ پرستی ترک نہیں کر سکتا اور یہ مادہ پرستی اولادِ آدم کی نامرادی و کم نصیبی کی وجہ حقیقی ہے بقول حضرت جنید بغدادیؒ مشائخ کرام کی حکایات و حالات دلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" میں ذکر کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ خدا کی مخلوق کے لئے باعثِ رحمت ہیں۔ زمین کی پیداوار ان کے احوال کی صفائی سے ہوتی ہے اور ولی ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کا دوست اور اللہ کے جملہ احکام کا پابند ہوتا ہے۔ یہ اکابرِ دین حریت، اخوت اور مساوات کے اسلامی اصولوں کے عملاً علمبردار تھے۔ جنہوں نے خدمتِ خلق اور تعمیرِ انسانیت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دعوت و ارشاد کا عظیم کارنامہ انجام دیا جس سے لوگ متاثر ہو کر اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہوئے۔ یہ اسلام کے بے لوث اور مخلص مبلغین تھے جن کو ہم صوفیائے کرام یا "اولیاء اللہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان ہی اکابرِ دین کی مہر و وفا، محبت و رغبت اور شب و روز کی جدوجہد نے ظلمت کدہ لاہور کو نورِ اسلام سے منور کیا اور ان بزرگانِ دین کی تبلیغ و اشاعت پر تاریخ اسلام ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔

اگرچہ یہ تذکرہ مائل بہ اختصار ہے لیکن طالبانِ راہِ طریقت اس مختصر جائزہ سے بھی آسودہ خاطر ہو سکتے ہیں اور مزید تحقیق کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اور اپنے وسیع علم و فضل کی بدولت ایک عالی شان اور فلک بوس عمارت تیار کر سکتے ہیں۔

ما قصہ سکندر و دارا نخواندہ ایم
ما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

(حافظ شیرازیؒ)

حالات

(۱) حضرت امیر خسرو چشتی دہلویؒ اسم مبارک ابوالحسن تھا۔ والد ماجد کا اسم گرامی امیر سیف الدین اور نانا کا عماد الملک تھا۔ تخلص خسرو تھا۔ ۱۲۵۳ء میں قصبہ پٹیالی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ نے مروّجہ علوم کی تکمیل کر لی۔

فرشتہ لکھتا ہے کہ آپ کے والد امرائے بلخ سے تھے اور چنگیز خاں کا فتنہ شروع ہونے کے قریب ہندوستان آ گئے اور آپ نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

فرشتہ مزید بیان کرتا ہے کہ آپ نے چالیس سال صائم الدہری میں بسر کئے۔ آپ ہر شب نمازِ تہجد میں سات سیپارہ قرآن مجید پڑھتے تھے۔ شاہزادی جہاں آرا بیگم دختر شاہ جہاں نے اپنی کتاب "مونس الارواح" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخؒ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ میں سب سے تنگ ہوتا ہوں مگر اے ترک تم سے تنگ نہیں ہوتا۔

آپ بڑے صوفی اور شاعر بھی تھے۔ ہندوستانی موسیقی سے والہانہ لگاو رکھتے تھے۔ انہوں نے بے شمار راگ پیدا کئے۔ آپ کی شاعری اور دل میں عشق الٰہی کی ایسی تڑپ تھی کہ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے ہو تو میں کہوں گا کہ خسرو کا سوز سینہ،

آپ کی تصانیف کی تعداد ننانوے (۹۹) ہے تعداد اشعار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ ہندی زبان میں بے شمار کلام ہے۔ قران السعدین آپ کی بہترین تصنیف ہے۔ خزائن الفتوح۔ مثنوی نہ سپہر، تغلق نامہ، خالق باری، مثنوی مطلع الانوار،

مثنوی لیلیٰ مجنوں، رسائل الاعجاز، قصہّ چہار درویش، مثنوی شیریں خسرو، مثنوی آئینہ سکندری یا سکندر نامہ، مثنوی ہشت بہشت، جواہر الجر، راحت المحبین، افضل الفوائد قابل ستائش ہیں۔

آپ نے ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں بعمر ۷۴ سال وفات پائی۔ اور اپنے پیر و مرشد کے جوار میں دفن ہوئے۔ (ماخذ خزینۃ الاصفیا ص ۳۳۹، آثار الصنادید ص ۴۵ مونس الارواح (قلمی)، تاریخ فرشتہ از ملا محمد قاسم بزم صوفیہ از مصباح الدین عبدالرحمان، تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی (ایم۔اے)

(۲) ابوریحان محمد بن احمد البیرونی

(۹۷۳ء-۱۰۴۸ء) مشہور مسلمان ماہر طبیعات وفلکیات، محقق و مؤرخ، فارسی سنسکرت عبرانی اور کئی دیگر زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سلطان محمود غزنوی کے دربار کی زینت تھے۔

آپ خوارزم (خیوا) کے قریب ایک گاؤں "بیرون" میں ۳۶۲ھ/۹۷۳ء میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے البیرونی مشہور ہوئے۔ تیس برس تک اپنے وطن میں رہے پھر کئی سال شمس المعالی والئے جرجان وطبرستان کے دربار سے وابستہ رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں ۱۱۴ سے زیادہ علمی کتابیں لکھنے کے بعد ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء میں وفات پائی۔ "قانون مسعودی" جو علم ہیئت پر ہے آپ کی بلند پایہ تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الہند، آثار الباقیہ اور القرآن الخالیۂ بہت مقبول و معروف ہیں۔ "کتاب الہند" میں ہندوؤں کے متعلق مکمل کوائف ملتے ہیں۔ اس کتاب میں ہندوستان کے مذہب، فلسفہ، آداب، جغرافیہ ہیئت، جوتش، رسم ورواج اور قوانین کا بیان ہے۔ آپ نے زمین کو اپنے محور کے گرد گردش کے بارے میں وضاحت کی اور مختلف مقامات کا صحیح طول بلد اور عرض بلد دریافت کیا۔ بیہقی تاریخ الحکما میں بیان کرتا ہے کہ البیرونی نے چالیس سال سے زیادہ تحصیلِ علوم میں صرف کئے اور ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ اس کا بو علی سینا سے اکثر مناظرہ ہوتا تھا۔ البیرونی سب سے پہلا مسلمان محقق ہے جس نے ہندی علوم کا مطالعہ خود اس برصغیر میں آکر کیا اور ہندی علوم کی مشہور کتابیں یہاں رہ کر پنڈتوں کی مدد سے پڑھیں۔ عالم اسلام اور ہند وپاکستان کے علمی وثقافتی روابط کے ابتدائی دور میں البیرونی نے نمایاں حصہ لیا۔ اور اس دور کا بہت بڑا عالم تھا۔

(۳) مفتی تاج دین مولوی نور احمد چشتی مصنف تحقیقاتِ چشتی ۱۸۶۷ء کے معاصرین میں ایک بزرگ مفتی تاج دین بن مفتی امام دین بن قاضی نظام الدین تھے۔ جنہوں نے ۱۸۶۷ء میں جان کلارک ڈپٹی کمشنر لاہور کے حکم سے ضلع لاہور کے حالات قلم بند کرنے شروع کئے۔ آپ کے والدین سوہدرہ (سیالکوٹ) کے رہنے والے تھے لاہور تشریف لائے اور اورنگ زیب کے عہد میں بعہدہ قضای لاہور و دہلی سرفراز ہوئے اور "خانی" کا خطاب پایا۔ دس ہزار روپیہ جاگیر اور بحساب پانچ روپے فی صد ہر ایک قبالہ بیع و رہن و ہبہ و تملیک وغیرہ مقرر تھا۔ سکھوں کے عہد میں کوئی جاگیر اس گھرانے کے پاس نہ رہی مگر لقب اور عہدہ برقرار رہا۔ دیوان امرناتھ نے ظفر نامہ رنجیت سنگھ (طبع لاہور ص ۸) پر ابتدائے عہد مہاراجہ رنجیت سنگھ میں قاضی نظام الدین کے قاضی لاہور مقرر ہونے کا حال بیان کیا ہے اسی طرح رائے بہادر کنہیا لال تاریخ لاہور (ص ۵۲) پر خاندان قاضیاں لاہور کے عنوان سے اس گھرانے کے متعدد افراد کا ذکر کیا ہے جن میں مفتی تاج دین بھی شامل ہیں۔ انگریزی عہد میں بجائے مہر قضا خانہ کے صیغہ رجسٹری مقرر ہوا تو اس کا آبائی کام ختم ہو گیا۔

(۴) اوچ شریف اسلامی علوم اور تہذیب کا پرانا مرکز ہے جو بہاولپور سے پچاس میل جنوب مغرب میں واقع ہے موجودہ آبادی تقریباً دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ پانچسو سال قبل از مسیح میں آباد ہوا۔ اسکندر اعظم کے حملے سے قبل یہ ہندو حکمرانوں کے تحت سندھ کا ایک قدیم صوبہ تھا۔ پھر ناصر الدین قباچہ کے وقت یہ شہر سندھ کا دارالخلافہ تھا۔ کننگھم صاحب کا خیال ہے کہ یہ شہر سکندر اعظم نے بسایا تھا۔ سن ۳۷۰ھ میں حضرت صفی الدین گازرونی گازرون سے اوچ شریف تشریف لائے اور اوچ گیلانی کی بنیاد رکھی۔ صاحب تاریخ فرشتہ اس مقام کا قدیم نام بھاطیہ تصدیق کرتے ہیں جو قرمطی حکمرانوں کا ایک بڑا مرکز تھا، آپ کی نگرانی میں اس مقام پر اسلامی علوم کی ایک بہت بڑی درسگاہ قائم کی گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ جس میں اڑھائی ہزار کے قریب طلبا ایک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس درسگاہ میں کشمیر، افغانستان، ایران اور عراق سے طلبا تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے درسگاہ کے پہلے نگران مسلمان بادشاہ شہاب الدین غوری تھے۔ اور انکے بعد سلطان ناصر الدین قباچہ نے اس کی نگرانی کے فرائض انجام دیئے۔ ناصر الدین قباچہ کو اس جگہ سے اتنی محبت تھی کہ اسے راجدھانی بنا لیا اس کے بعد مخدوم سید جلال الدین بخاری

المتوفی ۱۰۵۰ھ نے اس جگہ پڑاؤ کر کے قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کے دریا جاری کئے۔ پنجاب اور سندھ میں اس مقام کی بڑی عزت ہے۔ ان بزرگانِ دین کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔

۵۔ مسجد وزیر خاں

اس عالیشان مسجد کے بانی حکیم علیم الدین بن شیخ عبد اللطیف بن شیخ حسام الدین انصاری تھے جو بعض کتب میں علی الدین اور علم الدین کے نام سے بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ آپ چنیوٹ کے رہنے والے تھے۔ پیشہ طبابت تھا۔ تنگی معاش کے باعث وطن سے نکلے دہلی پہنچے۔ قسمت نے یاوری کی اور دربار شاہجہان تک رسائی پائی۔ پہلے شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ پھر اپنے ذاتی فضل و کمال کے باعث عہدہ وزارت پر فائز ہوئے۔ لاہور کے صوبیدار بھی رہے۔ شاہجہاں کو سلطنت دلوانے میں ان کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ ہنگامہ و پریشانی (مابین شاہجہان و جہانگیر) کے زمانے میں وہ شاہجہاں کے ساتھ رہے۔ سرکاری دیوان مقرر ہوئے۔ نواب وزیر خاں کو حضرت خواجہ خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاںؒ سے بہت عقیدت تھی۔ آپ کے روضہ کی تعمیر اور نگرانی نواب سعد اللہ خاں کی معیت میں کرواتے رہے۔ یہ سب حضرت ایشاں رحؒ کی خاص توجہ اور فیضان کا اثر تھا جن کی دعا و برکتؒ سے آپ کو جلیل القدر مرتبہ نصیب ہوا۔

آپ کو تعمیرات کا بھی شوق تھا۔ شیخ فرید بھکری "ذخیرۃ الخوانین" میں لکھتے ہیں "مدت دوازدہ [۱۲] سال مستقل در دار السلطنت لاہور بود۔ بسا کارہائے نیکو کرد کہ اساس و نام آں تا روز قیامت خواہد بود از آں جملہ مسجد و مدرسہ و حمام و دوازدہ [۱۲] حویلی و بازار و دکاکین در لاہور بنا نمود۔" (ص ۱۶ حصہ سوم) لاہور میں جامع مسجد وزیر خاں آپ کی غیر فانی یادگار ہے جو اندرون شہر لاہور دہلی دروازہ میں واقع ہے۔ مسجد کی پیشانی پر سب سے اوپر فارسی رسم الخط میں افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ جلی قلم سے لکھا ہے۔

ایک کتابہ پر یہ عبارت منقش ہے "در عہد ابو المظفر صاحب قرآن ثانی شاہجہان بادشاہ غازی اتمام یافت" اور دوسرے کتابہ پر لکھا ہے "بانی بیت اللہ ثانی فدوی باخلاص مرید خاص الخاص قدیم الخدمت وزیر خاں" اس کے علاوہ تاریخ تعمیر مسجد وزیر خاں کے بارے چند اشعار درج ہیں جن سے سن تعمیر ۱۰۴۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

تاریخ ایں بنا کے چو پرسیدم از خرد
گفتا بگو کہ بانی مسجد وزیر خاں
۱۰۴۴

سالِ تاریخ بنائے مسجد عالی مقام
از خسرو جستم بگفتا سجدہ گاہِ اہل فضل ۱۰۴۴

آپ کو رفاہ عامہ کے کاموں میں بہت دلچسپی تھی۔ لاہور میں مسجد وزیر خاں کے علاوہ حمام، بازار، محلات، مساجد، باغات، بارہ دری اور دکانیں اپنی یادگاریں چھوڑ گیا جن میں بعض اب بھی موجود ہیں۔ آپ کا ایک مدرسہ بھی تھا جو مدرسہ وزیر خاں کے نام سے مشہور تھا۔ اس مدرسہ کے مشہور و معروف دو استادوں کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے ان میں ایک تو ملا محمد صدیق رح تھے جنکے والد ماجد کا نام محمد حنیف بن محمد لطیف تھا اور دوسرے مولانا غلام محمد عرف استاد گامو تھے۔ مسجد و مدرسہ وزیر خاں کے علاوہ ایک بارہ دری باغ نواب وزیر خاں بھی تھا اس میں کھجوروں کے درخت بکثرت تھے جو نخلیہ وزیر خاں یا نخلستان وزیر خاں کے نام سے مشہور تھا یہ بارہ دری باغ بہت حسین و جمیل تھا۔ اب اس مقام پر ایک کتب خانہ قائم ہے جسے پنجاب پبلک لائبریری کہتے ہیں۔

محمد صالح کمبوہ شاہجہاں نامہ (ص ۲۵۴) میں تحریر کرتے ہیں "وزیر خاں نے اپنی صوبیداری کے زمانے میں لاہور کے اکثر باشندوں سے نامناسب سلوک کیا تھا۔ اسکی جگہ معتمد خاں کو یہ خدمت سپرد کی۔" فرید بھکری ذخیرۃ الخوانین میں رقم طراز ہیں کہ لاہور سے کچھ عرصہ کے لئے قلعہ اکبر آباد مامور ہو گئے ایک دن وہ شہر سے قلعہ میں داخل ہو رہا تھا اور دروازہ کی جانب جا رہا تھا جب دروازہ ہتھیاپول کے قریب پہنچا تو گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا گر پڑا حالت خراب ہو گئی اور مر گیا۔ بادشاہ نامہ (ص ۱۱، حصہ اول) میں درج ہے کہ بارھویں سال جلوس شاہجہانی کے آخر میں ۵۰-۱۶۴۹ء میں وہ پنجاب کی گورنری سے علیحدہ ہوئے اور اکبر آباد کی صوبیداری پر فائز ہوا۔ ۱۰۵۰ھ میں دردِ قولنج میں اسکا انتقال ہو گیا۔ ان دونوں متضاد بیانات میں فرید بھکری کا بیان زیادہ اہم ہے۔ اور قابلِ قبول ہے کیونکہ وہ اُمراء کے خواصوں سے تھا۔ نواب وزیر خاں کا لڑکا صلاح خاں تھا۔ جو مدتوں عالمگیری دور میں "میر توزک" رہا۔ اُنتیسویں سال جلوس میں اسے انور خاں کا خطاب ملا اور خواصوں کی داروغگی ملی چھتیسویں سال عالمگیری میں فوت ہو گیا۔ نواب وزیر خاں کو کس مقام پہ دفن کیا گیا تھا۔ یہ بات ابھی تک ایک معمہ بنی ہوئی ہے اور زیر بحث ہے، مگر بیان کرتے ہیں کہ آپ کو اکبر آباد میں دفن کیا گیا تھا (ماخذ تاریخ لاہور از سید محمد لطیف ورائے بہادر)

کنہیالال، مسجد وزیر خاں از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، تحقیقات چشتی از مولوی نور احمد، شاہجہاں نامہ از محمد صالح کمبوہ ماثر الامراء، ذخیرۃ الخوانین از فرید بھکری، بادشاہ نامہ از ملا حمید لاہوری۔)

(۶) حضرت ایشاںؒ اسم گرامی سیّد خاوند محمود، حضرت ایشاں یا حضرت آں شاں لقب، والد کا نام خواجہ میر سیّد شریف الدین بن خواجہ ضیاء الدین بن خواجہ میر محمد بن خواجہ علاؤ الدین حافد بن خواجہ حسین جو حضرت خواجہ سید علاء الدین عطار کی اولاد امجاد سے تھے اور بہاؤ الدین نقشبندؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ ۹۶۵ھ بمقام بخارا پیدا ہوئے تاریخ اعظمی کشمیر (صفحہ ۱۳۹) میں آپ کی پیدائش کا سن ۹۷۱ھ مرقوم ہے اور تاریخ کبیر کشمیر (صفحہ ۶۲) میں ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۳ء درج ہے اور آپ کی تاریخ ولادت "خاشع ۹۷۱" سے برآمد ہوتی ہے۔ آپ صوفیانہ ذوق کے باعث تیس (۳۰) سال کی عمر میں ۹۹۴ھ/ ۸۶-۱۵۸۵ء پہلے شہر وخش میں جو ختلان کا مشہور شہر ہے تشریف لائے کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا پھر بلخ، سمرقند ہرات و قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے۔ اس سن کی روشنی سے آپ کی پیدائش کا سن ۹۶۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ اسحق ولیؒ بن مخدوم اعظم خواجگی کاشانیؒ احمد بن سیّد جلال الدینؒ کے مرید تھے۔ خواجہ اسحاقؒ کے والد ماجد مخدوم اعظم کاشان (از توابع فرغانہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ کاشان سے "دہ بید" میں تشریف لائے اور اسی مقام پر سکونت اختیار کر لی اور ہمیشہ کے لئے مقیم ہو گئے۔

حضرت ایشاںؒ ہدایت خلق تبلیغ اسلام اور درس و تدریس کے سلسلے میں خود مختلف مقامات پر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو احکامات الٰہی اور پیغامات رسول مقبول سے آگاہ کرتے اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ قرآن و حدیث کے مطابق مخلوق خدا کی رہنمائی فرماتے آپ دینی نظریات میں کسی قسم کی مفاہمت کے قائل نہ تھے اور حق بات کو بے خوف و خطر کہتے تھے۔ دین کے معاملہ میں قرآن و حدیث کے علاوہ کسی تیسری چیز کو قابل حجت نہ جانتے تھے۔ دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت آپ کی زندگی کا واحد نصب العین تھا۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر جمعہ کے روز شہر کی جامع مسجد میں تشریف لے جاتے اور وعظ فرماتے۔ عوام الناس کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے صحبت یافتہ ارادت مندوں کا ایک حلقہ قائم کرتے تاکہ آپ کی تشریف لے جانے کے بعد یہ سلسلہ رشد و ہدایت کا جاری رہے۔ آپ بڑے خلیق اور مہمان نواز تھے۔ درویشوں اور مسافروں سے محبت رکھتے تھے

اور ان کی خدمت میں کمربستہ رہتے تھے۔ آپ مرہم دل دردمنداں تھے۔ شیخ محمد امین بدخشی رح عارف کامل اور جامع علوم شریعت و طریقت تھے۔ علماء، فضلا اور صلحاء کی زیارت کے لئے لاہور تشریف لائے۔ حضرت ایشاںؒ سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی اس ملاقات سے بہت متاثر ہوئے اور اپنی تصنیف "مناقب الحضرات" (قلمی نسخہ) میں تحریر کرتے ہیں۔

"در لاہور زیارتِ صلحاء و مشائخ نمودہ یک ماہ ماندم از خواجہ خان محمود (مراد خواجہ خاوند محمود) جذب ہا و مہربانیاں دیدم (ورق ۱۰۹ ا ب حاشیہ) ثانیاً آنکہ در سال ہزار و چہل و ہفتم ہجری (۱۰۴۷ھ) بصحبت حضرت خواجہ خاوند محمود علیہ الرحمۃ در لاہور رسیدم عنایت ہا بسیار دیدم بظاہر آنکہ در اول ملاقات دربغل گرفتند و فرجی (قباء) زمستانی را دوش خود برآوردہ بر زمین فرش کردند و فقیر را برآں نشاندند۔ نان و شربت خاص طلبیدہ بدست خود فقیر را می خورانید ند صوفیان حاضر تعجب کردند تا حال این مہربانی را برکسے ندیدیم کہ بریں جوان دیدیم حکمت چہ باشد جذب ہا باطنی را از عنوان ظاہر قیاس باید کرد کہ تفصیل آنش طولانیست (ورق ۱۱۵ ا) حاشیہ بالا قلمی نسخہ)

حضرت خواجہ خاوند محمودؒ کے تعلقات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے ساتھ بہت خوشگوار تھے۔ مسائل شریعت و طریقت اور وحدت الوجود کے بارے میں اکثر گفتگو رہتی تھی۔ آپ "وحدت الوجود" کے نظریہ کی تردید کرتے اور "وحدت الشہود" کے تصور کی حمایت کرتے ہیں۔ آپ اکثر ملاقات کے لئے سرہند بھی جاتے تھے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح آپ کے بارے ایک مقام پر فرماتے ہیں" خواجہ خاوند محمودؒ پیرزادہ ما اند وجذبہ موروثی دارند"

(ترجمہ) خواجہ خاوند محمودؒ خواجہ زادہ ہیں اور جذبہ موروثی انہیں حاصل ہے۔

اس کے علاوہ مکتوبات شریف میں اکثر مقام پر حضرت ایشاںؒ کو آپ نے بعض تخصیت پناہ" (خواجہ خاوند محمودؒ) کے القاب سے مخاطب کیا ہے۔ مقاماتِ محمودیہ اور کتاب رضوانی میں تحریر ہے کہ جب آپ کی وفات کے دن قریب آ گئے تو آپ نے پندرہ دن پہلے عصر کی نماز کے بعد اپنے مرید نواب افتخار الدین خاں عالی جاہ کو فرمایا کہ میں پندرہ دن کے بعد اس دار الفنا سے دار البقاء کی طرف رحلت کر جاؤں گا۔ جب سولھواں دن پہنچا تو بروز شنبہ ۱۲ شعبان ۱۰۵۲ھ نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد چند بار مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھا:-

الٰہی غنچۂ امید بکشا
گلے از روضۂ جاوید بنما

پھر عشاء سے پہلے سجدہ میں سر رکھا اور جانِ عزیز جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

(۷) مادھولال حسینؒ اسمِ گرامی شاہ حسین، شیخ بہلول دریائی المتوفی ۹۸۲ھ کے مرید و خلیفہ تھے۔ سرخ لباس پہنتے تھے اس لئے لال حسین مشہور ہوئے۔ ان کا دادا کلجس رائے ہندو تھا۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ آپ کا والد عثمان نامی دیندار آدمی تھا۔ جو لاہور کے ٹکسالی دروازے کے ایک محلّے میں رہتے تھے۔ شاہ حسین ۹۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ سات برس کے ہوئے تو لاہور کے ایک فاضل حافظ ابوبکرؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر قرآنِ مجید حفظ کرنا شروع کیا اور مدت تک ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے۔ حضرت شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزار پر کچھ عرصہ معتکف رہے اور پیر کامل کا درجہ مل گیا۔ اکملیت کے حصول کے بعد آپ ملامتیہ میں شامل ہو گئے۔ اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو دنیا کے دکھاوے کے لئے گھناؤنے سے گھناؤنا فعل بھی کر لینا چاہیئے تاکہ عوام الناس اُسے بیشک دھتکار دیں۔ لیکن وہ خدا کے نزدیک قابلِ قبول ہوگا چنانچہ آپ بھی اسی عقیدہ کے ماتحت اگر دن حسینوں میں گذارتے تھے تو راتیں مے و مینا کی صحبت میں بسر ہوتی تھی۔ رسالہ بہاریہ اور حقیقت الفقرا آپ کی سوانح حیات کے قدیم ماخذ ہیں۔ رسالہ بہاریہ اکبر کے عہد میں لکھا گیا تھا جس کا مصنف ملّا منشی بہار خاں تھا۔ جسے جہانگیر بادشاہ نے روزنامچہ لکھنے پر مقرر کیا تھا۔ دوسری کتاب حقیقت الفقرا اور شیخ مادھو کے ایک مرید پیر محمد عرف شیخ محمود نے شاہجہاں کے عہد میں ان کی سوانح عمری فارسی نظم میں لکھی تھی۔ اس کے علاوہ داراشکوہ نے اپنی کتاب "حسنات العارفین" میں آپ کے کشف و کرامات کے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے۔

شاہ حسینؒ ایک بزرگ صوفی تھے۔ آپ کی وضع قلندرانہ، مزاج شاعرانہ اور نکتہ نظر وجودی تھا۔ آپ کی کافیاں مقبولِ خلائق ہیں۔ آج بھی دکھی اور مایوس لوگوں کو اندھیروں میں روشنی کی راہ دکھاتی ہیں۔ شاہ حسینؒ بعمر تریسٹھ سال اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی قبر شاہدرہ میں بنائی گئی۔ کچھ مدت کے بعد راوی میں سیلاب سے قبر کو نقصان پہنچا تو شیخ مادھوؒ

آپ کے مرید و خلیفہ جو اُس وقت زندہ تھے نعش نکلوا کر باغبانپورہ جہاں آپکا اب مزار ہے۔ دفن کیا۔ شیخ مادھوؒ آپ کے جلیل القدر خلفاء سے تھے ۱۰۵۶ھ میں انتقال کیا اور شاہ حسینؒ المتوفی ۱۰۰۸ھ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ عوام الناس اس مزار کو مادھو لال حسین کے نام سے پکارتے ہیں۔

(۸) حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ آپ کے آباؤ اجداد سلطان شہاب الدین غوری کے عہدِ سلطنت میں ہندوستان تشریف لائے آپ فرخ شاہ بادشاہ کابل کے خاندان اور حضرت فاروق اعظم رضؓ کی اولاد امجاد سے تھے۔ لاہور میں قیام کیا پھر قصور کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے کھوتوال (ضلع ملتان) میں ٹھہرے۔ وہاں کی آب و ہوا آپ کو پسند آئی اور وہیں اقامت پذیر ہو گئے۔ حضرت بابا فریدؒ کے دادا کا نام قاضی شعیب تھا۔ قاضی شعیبؒ کے تین لڑکے تھے۔ پہلے بیٹےؒ کا نام قاضی جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ دوسرے لڑکے شیخ عبداللہؒ تھے جن کی اولاد میں حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے تیسرے صاحبزادے شیخ شعبان رحؒ تھے۔ جن کی اولاد جون پور میں آباد ہے حضرت بابا فریدؒ کے والد شیخ جمال الدین سلیمانؒ قاضی شعیبؒ کے بڑے بیٹے تھے۔ شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی شادی شیخ وجیہہ الدین خجندی رحؒ کی صاحبزادی بی بی قرسم خاتون سے ہوئی جو بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں۔ بی بی صاحبہ قائم اللیل اور صائم الدہر تھیں۔ آپ کے والد ماجد کھتوال ضلع ملتان کے ایک بزرگ عالم تھے۔ بی بی صاحبہ کے بطن سے تین لڑکے پیدا ہوئے اور آپ بیوہ ہو گئیں۔ بڑے لڑکے کا نام شیخ اعزاز الدین محمودؒ، منجھلے کا شیخ فریدالدین مسعودؒ اور چھوٹے کا نام نجیب الدین متوکلؒ رکھا گیا۔ حضرت بابا فریدؒ بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۵۶۹ھ شب سہ شنبہ بمقام کھوتوال میں پیدا ہوئے یہ مقام پاک پتن اور ہاران شریف کے درمیان واقع ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کھوتوال میں حاصل کی۔ جب آپ کی عمر ۱۲ سال کی ہوئی تو آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے سن ۵۸۴ھ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے دستِ حق پر بیعت کی اور انکی نگرانی میں سلوک کے منازل طے فرمائے۔ اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ درس و تدریس، ہدایتِ خلق اور تبلیغ دین اسلام میں آپ نے جس قدر خدمات انجام دیں یہ سعادت بہت کم بزرگوں کو نصیب ہوئی۔ آپ نے ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپ کی عمر ۹۳/۹۵ سال کی تھی، حضرت خواجہ شیخ بدرالدینؒ جانشین ہوئے۔

(۹) اجودھن اجودھن یہ قدیم قصبہ مغربی پاکستان کے ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ہے اور لاہور سے ملتان جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ راجہ رام چندر جی کے آباؤ اجداد نے جن کی اجودھیا میں حکومت تھی آباد کیا تھا۔ یہ روایت ہے کہ کوروں پانڈوں کی لڑائی کے وقت (جنگ مہابھارت) اس کا نام دھادانگری تھا۔ شہنشاہ اکبر کے حکم سے اس کا نام پاک پتن یا پتن بابا فریدؒ رکھا گیا۔ زمانہ قدیم میں دریائے ستلج اس شہر کے قریب بہتا تھا اور ملتان سے دہلی کی طرف جانے والے مسافر دریا کو اس جگہ سے عبور کرتے تھے اور "دریا کا پتن" مشہور تھا۔ بابا فریدؒ کی خانقاہ کے سبب اس کو اکبر بادشاہ کے حکم سے پاک پتن کہنے لگے۔ ملا محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس شہر کا نام پتن بابا فریدؒ لکھا ہے اور آئین اکبری میں صرف پتن لکھا ہے۔ (ماخذ تذکرہ حضرت امام سید علی الحق سیالکوٹیؒ مولفہ میاں اخلاق احمد ایم اے ص ۷۶ - ۸۷)

(۱۰) میاں محمد سلطان ٹھیکیدار آپ کی رہائش لاہور اندرون دہلی دروازہ حویلی میاں سلطان میں تھی، آپ بڑے متحمل و مخیر تھے۔ سرکار انگریزی کے عہد میں عمارات کی ٹھیکیداری آپ کو حاصل تھی۔ اس کاروبار کو آپ نے بہت فروغ دیا۔ آپ نے سرکاری مکانات و عالی شان عمارات و چھاؤنیاں تعمیر کروائیں۔ اس کے علاوہ ایک عمدہ اور عالی شان سرائے جو (سرائے میاں سلطان) کے نام سے معروف ہے تعمیر کروائی اور ایک خوبصورت بازار کو بھی زینت دی۔ آخری عمر میں بسبب کثرت خرچ و کمی آمد اور ملازمین کی خیانت نے آپ کو تباہ و برباد کر دیا۔ پھر ساری جائیداد کئی لاکھوں روپے میں مہاراجہ جموں کے پاس رہن ہو گئی اور پانچسو روپے ماہوار جائیداد کی آمدنی آپ کے گذارے کے لئے مہاراجہ نے دینا منظور کیا۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اور کوئی منتظم جائیداد موجود نہ تھا۔ اس سبب سے یہ خاندان برباد ہو گیا۔

(۱۱) دیوان دینا ناتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا مشیر خاص تھا، دیوانی امور میں لاثانی تھا۔ انگریزوں نے دیوان دینا ناتھ کی خدمات و قابلیت کے بدلہ میں "راجہ" کا خطاب عطا کیا اور کلانور کی جاگیر بحال رکھی، دیوان امرناتھ تخلص اکبری اور دیوان رام ناتھ تخلص اصغری۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ صاحب علم و ادب تھے آپ کی عالی شان حویلی دہلی دروازہ کے اندر اب تک موجود ہے۔ آپ نے شالامار باغ

کے پرانے راستہ پر مزار گھوڑے شاہ کے متصل جہاں سے کوٹ خواجہ سعید کو بھی راستہ جاتا ہے بنایا باغ تعمیر کروایا۔ باغ کے ارد گرد چار دیواری تھی جواب گر چکی ہے۔ باغ کا دروازہ مشرق کی جانب تھا جس کا اب کوئی نشان نہیں۔ باغ کے اندر بارہ دریاں۔ نشہ نشین، چبوترے، حوض اور فوارے بھی تھے۔ اہالیان لاہور اکثر موسم برسات میں اس باغ میں سیر و تفریح کے لئے آتے تھے اور بڑی رونق رہتی تھی۔ اس باغ کے جنوب میں ایک بارہ دری تھی جو نہایت خوبصورت اور پختہ تھی اب وہ گر چکی ہے۔ فوارے اور حوض بھی مٹ مٹا گئے ہیں۔ ان کی جگہ نئے مکانات اور دکانیں تعمیر ہو گئی ہیں۔ اب یہ علاقہ بعد تقسیم پاک و ہند لاہور میں یحیٰ کالونی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

مفتی تاجدین بن مفتی امام دین حالات ضلع لاہور (قدیم لاہور) ۱۸۶۷ء میں باغ راجہ دینا ناتھ کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"یہ باغ بھی پاس موضع کوئی (کھوئی) میراں کے اوسی زمانہ میں بڑی شان و شوکت سے آباد ہوا۔ زمین اس کی بہت اور آرائش وضعدار ہے اور اس میں ایک بارہ دری جو کہ ایک بڑا بھاری محل سرائے ہے بڑے شوق و ذوق سے تعمیر ہوئی۔ یہاں بھی نافلتیکہ راجہ دینا ناتھ نہیں مرا بہت آرائش رہی ہر ایک طرح کا پھل پھول ہوتا تھا مگر اب ویسا نہیں رہا۔ پاس کے لاہور کی طرف۔"

(۱۲) حضرت سید فضل شاہ

آپ کا مولد موضع سید پور کنئیاں ہے جو پنجاب کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ آپ کے اجداد گردیز (ایران) سے پنجاب میں آئے تھے اور اسی قصبہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ نے شہر سیالکوٹ میں تعلیم پائی پھر تکمیل تعلیم کے واسطے لاہور تشریف لے آئے۔ اور مسجد وزیر خاں میں قیام کیا۔ ان دنوں مدرسہ مسجد وزیر خاں کو بہت شہرت اور اہمیت تھی۔ کچھ عرصہ تک تحصیل علم میں مشغول رہے اور بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد عینک سازی کا کام سیکھا۔ آپ کے خاندان میں پیری مریدی قدیم سے چلی آتی تھی۔ لیکن آپ نے اس پیشہ سے احتراز کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے شخص کو بیعت لینی حرام ہے جو مریدوں کی تربیت نہ کر سکے۔ اس وجہ سے آپ نے عینک سازی کا پیشہ اختیار کیا تاکہ اکل حلال پر قادر رہوں۔

تحصیل علم کے بعد آپ کو ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو حق شناسی کی رہنمائی کرے۔ آپ

حضرت رحمان شاہؒ کے مرید ہو گئے اور ان سے فیض ہوئے۔ آپ کا سلسلہ قادریہ نوشاہی ہے اور شجرہ طریقت اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت سید فضل شاہ گنبد یزیؒ، حضرت رحمان شاہؒ، حضرت محمد صدیقؒ، حضرت محمد امینؒ، حضرت شاہ فریدؒ (جن کا مزار لاہور سے تین کوس ڈھولن وال کے متصل ہے) حضرت پیر محمد سچیارؒ نوشہرہ والے، حضرت نوشہ گنج بخشؒ (کو جن انوار کے سبب سے اس سلسلہ کو نوشاہی بھی کہتے ہیں، حضرت شاہ سلیمان نوریؒ، حضرت شاہ محمد غوثؒ، حضرت سید شمس الدینؒ، حضرت شاہ میرانؒ، حضرت سید علیؒ، حضرت سید مسعود غازی سالارؒ، حضرت سید احمد ولیؒ، حضرت سید موسوی شاہؒ، حضرت ابو نصر شاہؒ، حضرت سید عبدالوہابؒ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت ابو الخیر ابو سعیدؒ، حضرت ابو الفرحؒ، حضرت عبدالواحدؒ، حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ، حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ، حضرت سری سقطی، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت داؤد طائیؒ، حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کی وفات مرض استسقا سے ہوئی۔ تجہیز و تکفین کا سامان راجہ صاحب کی طرف سے ہوا، جنازہ تیار کر کے پریڈ[1] میں لے گئے۔ اور وہاں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ پھر اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار اقدس بیرون کشمیری و مستی دروازہ کے درمیان سرکاری باغ مقبوضہ نواب نوازش علی خاں قزلباش کی حدود کے اندر واقع ہے۔[2] آپ نے سن ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۴ء میں وفات پائی۔

آپ کا ایک فرزند تھا جس کا نام سید بلند شاہ صاحبؒ تھا ان کی ایک لڑکی تھی جس کا نام نادرہ بیگم تھا آپ بڑی نادرہ عابدہ اور عملیات بھی جانتی تھی اس خانقاہ کی متولیہ ہوئیں۔ آپ کی شادی حافظ عمر دراز صاحب سے ہوئی جو بڑے قابل اور لائق بزرگ تھے۔ فائض تخلص کرتے تھے اور سابق ایڈیٹر پنجابی اخبار لاہور رہ چکے تھے۔ جب تک راجہ دینا ناتھ زندہ رہا آپ کا سالانہ عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا رہا۔ بعد ازاں بھی عقیدت مند لوگ عرس کرتے رہے۔ سید بلند شاہ نے ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں رحلت فرمائی۔

---

[1] منٹو پارک موجودہ یادگار پاکستان

[2] اب یہ باغ لاہور کارپوریشن کی تحویل میں ہے۔

کتابیات

اس تذکرہ کی تدوین و تالیف میں درج ذیل کتب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

(۱) خزینۃ الاصفیاء (جلد اوّل و دوم)

(۲) گنجِ تاریخ

(۳) حدیقۃ الاولیاء

(۴) تاریخ مخزنِ پنجاب از مفتی غلام سرور لاہوری

(۵) تحقیقاتِ چشتی از مولوی نور احمد چشتی۔ لاہور

(۶) تذکرہ علمائے ہند۔ از مولانا رحمٰن علی صاحب

(۷) رشحات عین الحیات از ملا حسین واعظ کاشفی

(۸) اخبار الاخیار از مولانا عبدالحق محدث دہلوی

(۹) سفینۃ الاولیاء از شہزادہ داراشکوہ (فارسی نسخہ) اردو ترجمہ محمد علی لطیفی کراچی

(۱۰) تاریخ ہندوستان خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ دہلوی

(۱۱) نفحات الانس از مولانا عبدالرحمٰن جامی

(۱۲) رودِ کوثر از شیخ محمد اکرام (ایم۔ اے)

(۱۳) عبرت نامہ جلد اول و دوم۔ از مفتی علی الدین خلف مفتی خیر الدین

(۱۴) دربارِ اکبری

(۱۵) گلزارِ ابرار۔ اردو ترجمہ مصنف محمد غوثی شطاری مانڈوی

(۱۶) تاریخ فیروز شاہی۔ از ضیاء الدین برنی

(۱۷) تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف مترجم مولوی محمد فدا علی طالب

(۱۸) آئینہ حقیقت نما جلد اول و دوم از مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

(۱۹) تاریخ فرشتہ از ملا محمد قاسم

(۲۰) بزمِ صوفیہ از صباح الدین عبدالرحمان

(۲۱) معارج الولایت (قلمی نسخہ) از عبداللہ خویشگی

(۲۲) خلاصۃ التواریخ۔ از سجان سنگھ دھیر (۱۱۰۷ھ)

(۲۳) حدیقۃ الاقالیم۔ از مرتضیٰ حسین قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

(۲۴) ثمرات القدس از لعل بیگ لعلی بدخشی (قلمی نسخہ)

(۲۵) خطۂ پاک اُچ شریف از مسعود حسن شہاب

(۲۶) تاریخ مساجد از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی

(۲۷) تاریخ پنجاب از محمد بوٹے شاہ (قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

(۲۸) مسجد وزیر خاں لاہور۔ از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔

(۲۹) تاریخ نظامی از خواجہ نظام الدین احمد بن خواجہ مقیم ہروی۔
(۳۰) تاریخ مبارک شاہی از یحیٰ ابن احمد بن عبداللہ سرہندی۔
(۳۱) منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی۔
(۳۲) تاریخ لاہور از رائے بہادر کنہیا لال۔
(۳۳) تاریخ پنجاب " " " "
(۳۴) تاریخ لاہور از سید عبداللطیف لاہوری (انگریزی و اردو نسخہ)۔
(۳۵) تذکرہ علماء والمشائخ از مولوی محمد دین فوق۔
(۳۶) یادرفتگان " " "
(۳۷) لاہور عہد مغلیہ میں " " "
(۳۸) ملک العلماء " " "
(۳۹) بادشاہ نامہ (فارسی)
(۴۰) شاہجہان نامہ (فارسی) از محمد صالح کمبوہ۔
(۴۱) ہمارا پنجاب از شیخ عزت اللہ۔
(۴۲) نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۲ء۔
(۴۳) اولیائے لاہور از محمد لطیف ملک (ایم اے)۔
(۴۴) بزرگان لاہور از پیر غلام دستگیر نامی۔
(۴۵) تذکرہ حضرت ایشاں از میاں اخلاق احمد (ایم اے)۔
(۴۶) تذکرہ حضرت شاہ بلاول " "
(۴۷) تذکرہ حضرت امام علی الحق سیالکوٹی " "
(۴۸) لاہور کا گائیڈ از بزم اردو لاہور ۱۹۰۹ء۔
(۴۹) عمدۃ التواریخ از سوہن لال سوری۔
(۵۰) تذکرہ اولیائے لاہور از محمد وارث کامل ۱۹۶۳ء۔
(۵۱) ماثر الامراء حصہ اول دوم سوم از صمصام الدولہ شاہ نواز خاں (فارسی) اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری۔ کراچی۔
(۵۲) تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان از مفتی ولی محمد ٹونکی۔
(۵۳) تذکرہ صوفیائے پنجاب از اعجاز الحق قدوسی کراچی (۱۹۶۶)۔
(۵۴) عرس اور میلے از امان اللہ خاں ارمان سرحدی۔
(۵۵) حالات ضلع لاہور (قدیم لاہور) از مفتی تاج دین بن مفتی امام الدین۔
(۵۶) لاہور کے علماء اور مدارس از مولانا علم الدین سالک مرحوم (ایم۔ اے)
(۵۷) ظفر نامہ رنجیت سنگھ۔
(۵۸) لاہور سکھوں کے عہد میں از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
(۵۹) لاہور کی کہانی آثار کی زبانی از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
(۶۰) قلعہ لاہور کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی۔
(۶۱) دی اورحن آف لاہور از خان ولی اللہ خاں
(۶۲) حدود العالم (قلمی) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔
(۶۳) کتاب تاریخ الہند از البیرونی (اردو ترجمہ)
(۶۴) Ancient Geography of

India By A cunningham

(۶۵) اورینٹل کالج میگزین ماہ نومبر ۱۹۴۳ء

(۶۶) تذکرۃ الاولیاء از خواجہ فریدالدین عطار

(۶۷) انوار اصفیاء (شیخ غلام علی کتب فروش)

(۶۸) ہسٹری آف انڈیا ایلیٹ (اینڈ
ڈاوسن (لندن) ۱۸۶۷ء جلد اول

(۶۹) انیلز اینڈ اینٹیکیز آف راجستھان
(لندن) ۱۹۱۴ء جلد اول، از ٹاڈ کرنل

(۷۰) مخدوم جہانیاں جہانگشت بخاری
از پروفیسر محمد ایوب قادری (ایم۔اے)

(۷۱) تاریخ جلیلہ لاہور ۱۹۷۰ء از پیر
غلام دستگیر نامی۔

(۷۲) لطائف الاشرفی (اردو ترجمہ)
مولفہ حضرت نظام یمنی ترجمہ مشیر احمد
صاحب کاکوروی لکھنوی مکتبہ بزم
قادری ۱۲۷۲/ اڈرگ کالونی کراچی نمبر ۲۵۔

(۷۳) ذخیرۃ الخوانین از شیخ فرید بھکری

(۷۴) طبقات اکبری۔

(۷۵) سکینۃ الاولیاء از دارا شکوہ۔

(۷۶) تاریخ اوچ از مولوی حفیظ الرحمٰن۔

(۷۷) لاہور گزیٹیئر ۱۸۹۴ء مرتبہ جی سی واکر
ص (۲۹۱ تا ۲۹۲)۔

(۷۸) فتوحات مکیہ از شیخ ابن عربی۔

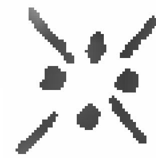
(۷۹) اسرار التصوف از حکیم احمد علی صاحب

(۸۰) جواہر غیبی از علامہ ابوالحسن فرید آبادی۔

(۸۱) این اورینٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری بائی ٹی
ڈبلیو بیل طبع نیویارک ۱۹۶۵ء۔

(۸۲) طرائق الحقائق از سید معصوم علی
شاہ شیرازی۔

(۸۳) روضات الجنان طبع تہران۔



کچھ اپنے متعلق

راقم الحروف میاں اخلاق احمد خلف میاں امیر بخش صاحب کا چھو مرحوم و مغفور قوم ارائیں سکنہ ۳۳۳ شادباغ لاہور ۱۰ر جون ۱۹۱۴ء میں اپنے آبائی مکان محلہ کا چھواں اندرون اکبری دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے نانا میاں جلال الدین کا چھو مرحوم و مغفور کے زیر سایہ پائی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو کر سن ۳۷-۱۹۳۶ء میں بی اے پاس کیا۔ اور پھر ایم اے اور ایم او ایل کی ڈگریاں پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد این ڈبلیو آر (N.W.R) جو اب پاکستان ریلویز ہے (Pakistan Rail ways) کے محکمہ سٹورز و پرچیز ریلوے ہیڈ کوارٹرز لاہور میں ملازم ہو گئے۔ اب اسسٹنٹ کنٹرولر آف پرچیز کے عہدہ سے ریٹائر ہوا ہوں۔

ملازمت کی ذمہ داریوں کے باوجود درس و تدریس اور علمی و ادبی مشاغل سے بھی وابستگی رہی ہے۔ تاریخی حالات و واقعات اور تحقیق سے خاص کر صوفیائے کرام کے حالات و سوانح حیات سے زیادہ شغف رہا ہے چنانچہ یہ اسی ذوق و شوق کا نتیجہ ہے کہ "لاہور کے دو قدیم صوفی" یعنی تذکرہ حضرت سید اسحاق گازرونی المعروف بہ حضرت میراں بادشاہ قدس سرہٗ اور تذکرہ حضرت سید صوف المعروف بہ حضرت سید سید صوف لاہوری شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ سے مجھے ایک تو فطری لگاؤ ہے جس نے والہانہ عقیدت کی صورت پیدا کر لی ہے۔ دوسرے میرے بزرگ اسی سلسلے سے وابستہ رہے ہیں۔ جن کے ذکر الٰہی نے بچپن ہی میں میرے دل میں صلحاء کے ساتھ والہانہ عقیدت و ارادت پیدا کر دی ہے۔ اس تذکرہ کی تدوین و تالیف اسی جذبۂ عقیدت و محبت کا ایک ادنیٰ نمونہ پیش خدمت ہے۔

با آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند
بلام ما برسانید ہر کجا ہستند

احقر العباد
میاں اخلاق احمد ایم اے
۳۳۳ شادباغ - لاہور

مؤلّف کی دیگر تالیفات اور چند آرائے

تذکرہ خواجہ خواجگان حضرت سیّد خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشانؒ

"میاں صاحب نے حضرت ایشانؒ کے حالاتِ زندگی ان کی تعلیمات اور تبلیغی سرگرمیوں نیز سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ کے لئے ان کی کاوشوں کو یکجا کرنے میں جس محنت، لگن اور ذوق وشوق کا ثبوت دیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔ حضرت ایشانؒ پر اس سے قبل کوئی مستند کتاب موجود نہ تھی۔ ان کے حالاتِ زندگی مختلف کتب و رسائل میں بکھرے پڑے تھے۔ میاں صاحب نے ان حالات و واقعات کو اس تواتر و تسلسل کے ساتھ یکجا کیا ہے کہ یہ کتاب ان کا اپنا قلمی جوہر بن گیا۔" (روزنامہ جمہور۔ لاہور)

"اگرچہ اس کتاب کو میاں صاحب نے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے حرفِ آخر کے طور پر پیش نہیں کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی ولی کی زندگی پر اتنا جامع تذکرہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور)

"یہ کتاب پاک باطن، عارفِ اسرارِ ربّانی اور خدا رسیدہ بزرگ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ مرتب نے بڑی محنت اور جانکاہی سے حالات جمع کئے اور نہایت صحت سے شائع کئے ہیں۔" (روزنامہ مشرق)

تذکرہ حضرت شاہ بلاول قادریؒ

"میاں صاحب نے بلاشبہ انتھک محنت اور لگن سے تمام حقائق کو جمع کیا ہے۔ اور بہت سے اختلافات کو ختم کر دیا ہے اسکے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے شاہ بلاول قادریؒ کے کرامات علوم وفیوض اور معجزانہ واقعات پر روشنی ڈالی ہے اس سلسلے میں میاں صاحب کا نقطۂ نظر مابعد الطبیعاتی ہے۔ کتاب اس لحاظ سے بلند مقام رکھتی ہے کہ ہمارے ہاں صوفیائے کرام کے علوم وارشادات اور فلسفہ زندگی کو کسی مستند تاریخ ٹھوس صورت میں تاحال قلمبند نہیں کیا گیا۔ ایسی تحقیقات اور تحریروں سے بلاشبہ ایک بحث کھل سکتی ہے جو ہمیں اپنی ثقافتی اور نظریاتی تاریخ سے روشناس کرائے گی۔" (روزنامہ مساوات)

تذکرہ حضرت امام سیدنا علی الحق

"حضرت امام سیالکوٹی ایک پرجوش مبلغ اسلام تھے۔ انکا سیالکوٹ آنا راجہ ساہن پال جیسے ظالم حکمران کے خلاف جہاد کرنا اور سیالکوٹ کے عوام کو تشدد سے نجات دلانا یہ تمام ایسے واقعات ہیں جن کے متعلق متضاد روایات ہم تک پہنچتی ہیں اس سلسلے میں تذکرہ نویس میں بے حد اختلاف پایا جاتا ہے آج تک اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی جو اس مجاہد حریت کی حیات بابرکت کو مستند انداز میں پیش کر سکے۔ مؤلف اس لحاظ سے قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے مستند ذرائع اور ماخذات سے استفادہ کرتے ہوئے تحقیقی و تنقیدی انداز میں امام صاحبؒ کے حالات پیش کئے ہیں۔ حضرت امامؒ کے سوانح حیات کے ساتھ ساتھ انکے مرشد بابا فریدالدین مسعودؒ کے حالات زندگی بھی اختصار کے ساتھ درج ہیں مولف نے نہایت عرق ریزی اور باریک بینی کے ساتھ اس کتابچے کو تحریر کیا ہے اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف تاریخ تصوف بلکہ ہماری تاریخ حریت و عزیمت کے ایک باب کے دروازے وا کئے گئے ہیں اور یوں یہ کتابچہ تاریخی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافے کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔"

(ماہنامہ تعلیمات لاہور)

دسمبر ۱۹۷۸ء

ختم شد



اسلامی ادارہ ادب و ثقافت پاکستان (رجسٹرڈ)

چاہ میراں لاہور

کی نایاب کتابیں

تذکرہ حضرت کرم الٰہی عرف کانواں والی سرکارؒ ۷—۵۰

مؤلف: عالم حسین چیمہ ایم اے ایل ایل بی

تذکرہ حضرت سیّد میراں حسین زنجانیؒ ۲—۰۰

مؤلف: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

آفتاب زنجان

مؤلف: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

قرآن اور توبہ چھ روپے ۰۰—

مؤلف: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی

فوائد الصلوٰة دو روپے ۰۰—

مؤلف: عالم حسین چیمہ (ایم اے ایل ایل بی